لکھاری کیسے بنتا ہے؟

امجد جاوید

لکھاری کیسے بنتا ہے؟

امجد جاوید

انتساب!

اپنی شریک حیات کے نام

قرآن مجید سے

☆ ”لکھ دی جاتی رہی ہر چھوٹی بڑی بات اعمال نامے میں جو بھی کوئی کفار کرتے ہیں۔“

(قمر......53,52)

☆ ”لکھی دی گئی ہے یہ بات ایسے لوگوں کے بارے میں کہ جو کوئی شیطان کو دوست بنائے گا شیطان اسے گمراہ کر دے گا اور اسے آگ کے عذاب میں جا اتارے گا۔“

(حج......4)

☆ ”لکھ دی ہے جو مصیبت اللہ نے ہمارے لئے تو وہ ہم پر آ کے رہے گی، اللہ ہی مولیٰ ہے اور اسی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہیے۔ کہہ دو۔“

(توبہ......51)

☆ ”لکھ دی ہے یہ نصیحت اللہ نے زبور میں کہ زمین کے وارث اللہ اور اللہ کے صالح لوگ ہوں گے۔“

(انبیاء......105)

☆ ”لکھ دیا اللہ نے کتاب میں کہ رشتے کہ لحاظ سے......تمہارے لئے کون زیادہ اہم ہے۔“

(انفال......75)

☆ ”لکھ دیا اللہ نے (کتب میں) کہ......میں اور میرا رسول ﷺ ہی غالب ہوں گے۔ اللہ قوی و عزیز ہے۔“

(مجادلہ......21)

☆ لکھ لیتا ہے اللہ ہر وہ کام جو لوگ کرتے ہیں......جو آثار پیچھے چھوڑتے ہیں۔

(یس......12)

☆ ''لکھ لیا کرتے تھے ہم تمہارے ہر عمل کو...... ہماری یہ کتاب سچ سچ بتا دے گی جو کچھ تم کیا کرتے تھے...... ہر ایک امت اپنے اعمال نامے کی طرف بلائی جائے گی۔''

(جاثیہ......27 تا29)

☆ ''لکھ لیا ہے اللہ نے اپنے اوپر ذمہ رحمت کرنے کا۔''

(انعام......54,12)

☆ ''لکھ لیتے ہیں ہم ہر کوشش کو، جو بھی کوئی نیک کام کرنے کے لئے کرے گا اور ایمان لائے گا۔اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔''

(انبیاء......94)

☆ ''لکھ لیتے ہیں ہمارے رسول ان کی باتوں کو......لوگ کیا خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی خفیہ سرگوشیاں اور رازوں کو سن نہیں رہے ہوتے۔''

(زخرف......80)

☆ ''لکھ نہ دیا ہوتا اللہ نے کفار کے لئے اگر جلا وطن، تو اللہ انہیں ضرور دنیا میں عذاب دیتا۔ان کے لئے آخرت کا عذاب......عذاب النار تو ہے ہی۔''

(حشر......3)

☆ ''لکھ دیا نہ ہوتا اگر پہلے سے اللہ نے، تو یہ قیدی تم نے بنائے یا کفار کا مال چھینا، جنگ سے پہلے، تو تم پر بڑا عذاب آ جاتا۔''

(انفال......29,28)

☆ ''لکھت یا تحریر چاہیں اگر تمہارے غلام اور لونڈیاں......تو تم انہیں (تحریر) دے دیا کرو۔''

(نور......33)

بائیبل سے

''اور خداوند نے موسیٰ سے فرمایا کہ پہاڑ پر چڑھ کر میرے پاس آ اور وہاں ٹھہر جب تک کہ میں تجھ کو پتھر کی لوحیں اور شریعت اور احکام دوں جو میں نے ان کی تعلیم کے لئے لکھے ہیں۔''

''اور جب خداوند، کوہ سینا پر موسیٰ سے باتیں کر چکا تو اس نے اسے شہادت کی دو لوحیں دیں۔ وہ لوحیں پتھر اور خدا کے ہاتھ سے لکھی ہوئیں تھیں۔''

''اور موسیٰ شہادت کی دونوں لوحیں ہاتھ میں لئے پھرا اور پہاڑ سے نیچے اترا اور وہ لوحیں ادھر سے ادھر سے دونوں طرف سے لکھی ہوئی تھیں اور وہ لوحیں خدا ہی کی بنائی ہوئی تھیں اور جو لکھا تھا وہ بھی خدا ہی کا لکھا اور ان پر کندہ کیا ہوا تھا۔''

''موسیٰ نے پہاڑ سے پلٹ کر دیکھا کہ ساری قوم راہ راست سے پلٹ چکی ہے۔ سو موسیٰ کو اپنی قوم پر شدید غصہ آیا اور موسیٰ کا غصہ بھڑکا تو اس نے اپنے ہاتھوں سے دونوں لوحیں پھینک دیں اور ان کو پہاڑ کے نیچے توڑ ڈالا۔''

''جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے خداوند سے اپنے لوگوں کی سفارش کی اور خدا نے وہ سفارش سن لی...... پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنے لئے پہلی لوحوں کی مانند دو لوحیں پتھر کی تراشیں تو میں ان پر وہ کلام لکھوں گا جو پہلی لوحوں پر تھا جس کو تو نے توڑ دیا۔''

(کتاب مقدس۔ خروج)
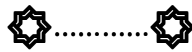
پیش لفظ

لکھاری کیسے بنتا ہے؟

یہ اور اس طرح کے مفہوم لئے بے شمار سوال مجھ سے پوچھے گئے۔ جب بھی مجھ سے ایسا سوال کیا گیا، میں اس کا خاطر خواہ جواب نہیں دے پایا تھا۔ کیونکہ ایک تو ہمیشہ سے علمی کم مائیگی آڑے آتی رہی، دوسرا یہ سوال اس دورانیے میں زیادہ کیا گیا جب سکول کی سطح کے ایک میگزین کی ادارت میرے ذمے ہوا کرتی تھی۔ یہ سوال اس میگزین سے متعلقہ طلبہ و طالبات کیا کرتے تھے۔ ان میں وہ طلبہ و طالبات بھی تھے حد درجہ دلچسپی، لگن اور شوق رکھتے تھے۔ میں نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی اور وہ مطمئن ہوئے بھی۔ اس وقت مجھے خوشگوار حیرت ہوئی جب سکول سطح کے وہ طلبہ و طالبات جو رٹے رٹائے کو اگلنے کے عادی تھے۔ اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو تحریری صورت دینے لگے۔ میں اس دوران کسی ایسی کتاب کی تلاش میں رہا جو ان بچوں کی ضرورت کو پورا کر سکے لیکن میری قسمت، مجھے ایسی کوئی کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔ یہیں سے مجھے یہ خیال آیا کہ کیوں نا اس سوال کا جواب تحریری صورت میں دے دوں۔ جس سے نو آموز لکھاری استفادہ کر سکیں۔

جہاں تک میرے ذاتی تجربات کی بات ہے۔ میں نے تو بس اچانک لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ایک دن میرے اندر سے یہ خواہش ابھری کہ کیا میں بھی کوئی تحریر لکھ سکتا ہوں؟ اس پر میرے ذہن نے جواب دیا کہ ہاں تم لکھ سکتے ہو۔ اور......! میں نے کہانی لکھی جو ذرا سی کانٹ چھانٹ کے بعد شائع ہوگئی۔ میں بے حد خوش ہوا۔ میں نے اپنے آپ میں خاصا اعتماد محسوس کیا اور پھر یہ اعتماد ہر نئی کہانی شائع ہو جانے کے ساتھ بڑھتا گیا۔

پھر مجھے احساس ہونے لگا کہ میں ایک خودرو پودے کی مانند ہوں جو محض سازگار ماحول کے باعث بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اگر اس کی ترتیب و تہذیب ہو جائے تو ہی یہ پودا خوشنما دکھائی دے گا۔ میں تحریریں تو لکھتا تھا لیکن وہ اس قدر موثر نہیں ہوتی تھیں جتنا انہیں ہونا چاہیے تھا۔ ایسا اس لئے تھا کہ میرے ماحول والی ادبی فضا ثمر آور نہیں تھی۔ مجھے اپنا کنواں خود آپ کھودنا پڑا تھا۔

میری پہلی تحریر جنوری 88ء میں شائع ہوئی۔ اور میری حوصلہ افزائی کرنے والے محترم شمیم نوید تھے۔ 92-90ء کے سال میں نے اسلامیہ یونیورسٹی سے ابلاغیات کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے گزارے اور پھر روزنامہ جنگ لاہور میں کام کرنے کا موقع ملا۔ وہاں میں نے سنڈے میگزین کے لئے فیچر اور مضامین لکھے تو احساس ہوا کہ میں ندی سے دریا میں آ گیا ہوں اور ابھی مجھے تحریر لکھنے کے لئے مزید محنت درکار ہے۔ تب میں نے کمر ہمت باندھ لی۔

میری یہ خوش قسمتی رہی ہے کہ مجھے بہترین اساتذہ سے راہنمائی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان میں سب سے پہلے تو میری والدہ مرحومہ ہیں جنہوں نے مجھے حرف اور ہندسے کے متعلق آشنائی دی۔ اس کے بعد میرے سکول اساتذہ وہ اساتذہ جنہوں نے میری راہنمائی کی ان میں محترم عبدالرحمٰن جامیؔ۔ محترم عابد مسعود تہامی، محترم آصف علی پوتا، ڈاکٹر شفقت قاضی، محترم اختر حسین شیخ، محترم سجاد پراچہ، محترم عبدالواجد خان، محترم غلام شبیر بلوچ اور محترم کاشف سجاد ہیں۔ میں نے جب بھی ان سے رہنمائی کے لئے رابطہ کیا، انہوں نے مجھے خوب نوازا۔

ایک نوآموز لکھاری کے طور پر میں نے جو اپنے اساتذہ سے سیکھا اور مطالعہ سے جو باتیں اخذ کیں۔ انہی باتوں کو ایک ترتیب دے کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ اگر یہ کسی نوآموز لکھاری کی مکمل تسکین نہ بھی کر سکے مگر ان راستوں کی نشاندہی کا فرض ادا ہو جائے۔ جن سے وہ ابھی تک نابلد ہیں۔

یہ تحریر ان نوآموز لکھاریوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے جو ابھی فن تحریر نگاری کے میدان میں وارد ہوئے ہیں یا اس

میدان کے شہسوار بننا چاہتے ہیں۔خصوصی طور پر ان طلبہ وطالبات کے لئے جوسکول کے آخری یا کالج کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔تا کہ تحریر لکھنے کے لئے ابتدائی معلومات انہیں میسر آسکیں۔

مجھے یہ اعتراف ہے کہ میں ایک طالب علم ہوں اور بلاشبہ رہنمائی کا تحفہ اساتذہ اکرام ہی سے عطا ہوتا ہے۔تاہم میرے فراخ دل اساتذہ نے یہ ذمہ داری مجھے سونپ دی کہ میں اس موضوع پر کام کروں۔میری یہ تحریر کوئی حرف آخر نہیں بلکہ ابتدائی کوشش ہے جسے ابھی نکھرنے،سنورنے اور مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہمہ وقت رہے گی۔ہوسکتا ہے اس تحریر میں کوئی اختلافی پہلو بھی ہوں میں ان قارئین اکرام کا مشکور ہوں گا جو اس تحریر کہ بہتر بنانے کے لئے مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں گے۔

زبان و بیان کے ضمن میں عرض کرتا چلوں کہ میں نے انتہائی سادگی اور اختصار سے کام لیا ہے تا کہ موثر ابلاغ ہو سکے۔بھاری بھرکم لفظ،تشبیہات و استعارات وغیرہ سے صرف نظر کیا تا کہ نو آموز لکھاری اس تحریر سے بھر پور استفادہ کر سکیں۔

میں جناب گل فراز احمد کا انتہائی مشکور ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو منظر عام پر لائے۔

امجد جاوید

18۔رانا ٹاؤن۔حاصل پور
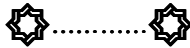
''اس اللہ نے انسان کو پیدا کیا اوراس نے (انسانی) گویائی عطا کی۔''

(رحمٰن-3-4)

ابلاغ......!انسان کی بنیادی ضرورت

انسان نے جب زندگی کا احساس کیا تو اس نے اپنے اردگرد فطرت کو ہمکتے ہوئے دیکھا۔ جھومتے ہوئے درخت، گنگناتی آبشاریں، اڑتے ہوئے رنگا رنگ پرندے، اورزمین پر چلنے والے جانوروں کا مشاہدہ کیا۔ یہ جانور اپنی ہیت و جسامت میں انسان سے مختلف تو تھے لیکن ان میں بہت سارے معاملات میں یکسانیت بھی تھی جیسے بھوک مٹانا، تحفظ کا احساس، اپنے ہم جنسوں کے ساتھ رہنا وغیرہ بنیادی قسم کی ضرورتیں تھیں۔

گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ انسان کے اندر اظہار وابلاغ کی خواہش بیدار ہوئی، اس نے چاہا کہ وہ اپنی بات دوسروں تک پہنچائے مگر وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا۔ انسان اجتماعیت پسند تھا اور مل کر رہتا تھا۔ یوں بہت سارے لوگوں کے اجتماعی ماحول میں دھیرے دھیرے ابلاغ کی ضرورت شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ اس طرح اظہار وابلاغ انسانی فطرت کا تقاضا ہی نہیں، ماحول کی ضرورت بھی بن گیا۔ کیونکہ جب انسان ماحول کو اپنے لئے مناسب نہیں پاتا تو اس کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔

جس طرح انسانی مادی اور روحانی یکجائی کا شاہکار ہے اوراس کا خمیر جذبات سے گندھا ہوا ہے۔ اس طرح وہ اپنے اندر جذبات کی قوس وقزح رکھتا ہے جنہیں ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ان میں ایک طرح کے جذبات وہ ہیں جو کسی ضرورت کے تابع پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اس کی جسمانی طلب اور ضرورت کو پورا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ان میں وہ جذبات بھی شامل ہیں۔ جو کسی محرومی کے ردعمل میں پیدا ہوتے ہیں مثلاً بھوک یا بھوک مٹانے تک جو بھی کشمکش ہو۔ جنسی خواہش جو محض تسکین کے لئے کی جاتی ہے۔ ایسے جذبات تسکین یا ضرورت پوری ہونے پر ختم ہوجاتے ہیں اور دوبارہ پھر عود کر آتے ہیں۔ دوسری طرح کے جذبات ایسے ہوتے ہیں جو کسی خواہش یا ضرورت کے تحت پیدا نہیں ہوتے بلکہ ان کا براہ راست تعلق سکون، طمانیت اور روحانی قوت سے ہوتا ہے جیسے شکر گزاری، ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، محبت اور اپنے

رب کی عبادت جیسے جذبات ہیں۔

انسان پہلی قسم کے جذبات کا اظہار تو کر سکتا تھا اور اس کا ابلاغ دوسروں پر بھی ہو جا تا تھا۔ یہ ایک طرح سے خود بخود ہو جا تا تھا۔ اپنی ضرورت کو بیان کرنا بہت سادہ اور آسان تھا لیکن دوسری قسم کے جذبات کے ابلاغ میں انتہائی مشکل درپیش تھی۔ انسان کی جبلت میں مہم جوئی رہی اور اس انتہائی مشکل پر جب اس نے بے بسی محسوس کی تو وہ تڑپ اٹھا۔ اس کی تڑپ رنگ لائی اور اس نے اس بے بسی پر قابو پانے کی سعی کی۔ اس کی توجہ اشاروں پر ہوئی۔ تب اس پر انکشاف ہوا کہ اشاروں سے بھی ابلاغ ممکن ہے۔ جسمانی اعضاء مثلاً آنکھ اور ہاتھوں سے، لمس کا احساس دے کر یا لے کر۔ یوں اشاروں کی زبان نے ارتقائی منازل طے کرنا شروع کر دیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ انسان ٹھٹک گیا۔ اس کے پاس ابلاغ کے لئے بہت کچھ تھا مگر وہ ایسا کر نہیں پا تا تھا۔ یوں وہ پھر سے بے بسی جیسی کیفیت میں آ گیا۔

اسی بے بسی میں اس نے اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ اس نے بڑے جذب کے ساتھ مشاہدہ کیا تو وہ ''آواز'' سے متعارف ہوا۔ مظاہر فطرت میں اس نے گنگناتی آبشاریں، چلتی ہوئی ہوا، گرجتے ہوئے بادل، کڑکتی ہوئی بجلی، بارش کی رم جھم، پرندوں اور جانوروں کی آوازیں اور اس کی اپنی آواز......کو دیکھا اور سمجھا۔ ان آوازروں کے بھی بہت سارے انداز تھے۔ رم جھم برستے ہوئے بادلوں کی آواز، طوفانی بارش کی آواز سے مختلف تھی۔ مستی میں چہچہاتے پرندوں کے گیت اور خوف بھری چیخ الگ طرح کی تھی۔ خوبصورت آوازیں اسے اچھی اور کریہہ آوازیں اسے بری لگتی تھیں۔ وہ خطرہ، غم، خوشی، مستی وغیرہ کی آوازیں شناخت کرنے لگا اور یہی شناخت اس کے ابلاغ میں معاون ثابت ہوئی اور وہ آواز کے سہارے ممکن حد تک پیغام رسائی کرنے لگا۔

انسانی فطری طور پر ارتقائی منازل کی جانب سفر کر رہا تھا۔ اس کے سامنے مظاہر قدرت تھے۔ قدرتی طور پر ماحول اور انسان ایک دوسرے کے حریف بنے ہوئے تھے۔ اسی کشمکش میں اسے اپنی کم علمی اور حقیر پن کا احساس مشتعل کر دیتا تھا۔ اس کے اندر ماحول پر دسترس پا لینے کی بے چینی شدت سے تھی جو اسے عمل پر اکساتی رہتی تھی۔ وہ اشاروں کی زبان سے مطمئن نہیں تھا کیونکہ اشاروں اور آوازوں سے وہ اپنا مدعا بیان نہیں کر پا تا تھا۔ جیسی کہ وہ خواہش رکھتا تھا۔ وہ جو سوچتا تھا اور بات کہنا چاہتا تھا۔ پوری طرح دوسروں تک پہنچا نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے قریبی لوگوں تک کسی نہ کسی حد تک اپنا پیغام منتقل کر دیتا تھا۔ لیکن اس سے دور پرے رہنے والوں تک اس کے پیغام کی رسائی نہیں ہو پاتی تھی۔ یہاں تک کہ پیغام دینے اور لینے والا

دونوں قریب تر نہ ہو جائیں۔ دور تک پیغام بھیجنے کی لگن اور ضرورت نے تصویری زبان کو جنم دیا۔ جس سے وہ بہت حد تک اپنا پیغام دور دراز کے لوگوں تک بھی پہنچانے لگا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کے پھیلتے ہوئے اظہار کے لئے تصویریں ناکافی ثابت ہوئیں تو اس نے علامتیں وضع کرنا شروع کر دیں۔ یوں تصویر اور علامت سے ابلاغ جیسی ضرورت کو پورا کیا جانے لگا۔

ابلاغ کی لگن، خواہش اور ضرورت نے جہاں اشارے سے علامت تک کا سفر طے کیا، وہاں انسانی شعور میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کے اندر بڑے جذبے نت نئی رنگینیوں کے ساتھ انگڑیاں لے کر اپنا آپ متعارف کرانے لگے۔ یہاں فطری طور پر انسان نے اپنے جذبات کی تہذیب بھی کی۔ خدا کی عبادت کرنا جیسا جذبہ بیدار ہوا تو انسانی جذبات لطیف سے لطیف تر ہوتے چلے گئے۔ انہی لطیف جذبوں کا اظہار مشکل ہوتا چلا گیا۔ یوں تصویریں اور علامتیں بھی ناکافی ہو گئیں۔

انسانی شعور کی بیداری کے بعد، انسان کے پاس تجربات جمع ہونا شروع ہو گئے۔ انسانی عقل، شعور اور ذہنی صلاحیت میں تدریجاً ''ترقی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ فطری اور اپنے تجربے سے حکمت و دانائی حاصل کر رہا تھا۔ مگر اظہار و ابلاغ کی ناپختگی کے باعث نہ تو حکمت و دانائی کو دوسرں تک منتقل کر سکتا تھا اور نہ ہی انہیں محفوظ رکھ سکتا تھا۔ اس کے پاس کوئی بھی ایسا ذریعہ نہیں تھا کہ جس سے وہ اپنے تجربات اور حکمت و دانائی اپنی آئندہ آنے والی نسل کے لئے محفوظ رکھ سکتا۔ اس کے پاس آواز تھی، اشارے تھے۔ تصویریں اور علامتیں تھیں مگر الفاظ نہیں تھے۔ انسان اس وقت لفظوں سے محرومی جیسی بے چارگی میں مبتلا تھا۔ وہ حد درجہ بے چین اور غیر مطمئن تھا۔

پھر انسان کو لفظ میسر آ گئے۔ ان الفاظ کے وجود میں آنے کی بنیاد آوازیں ہی تھیں۔ قدرت نے انسانی گلے کی ساخت کچھ ایسے بنائی ہے کہ وہ اس سے ان گنت آوازیں نکال سکتا ہے۔ اس نے انہی آوازوں کو ایک ضابطے اور قاعدے میں لا کر منظم کیا اور ان کی علامتیں بنائیں۔ آوازوں کا رابطہ مخصوص مفاہیم اور مطالب کے ساتھ جوڑا گیا۔ یوں آواز، علامت اور مفہوم کی تثلیث نے ''حرف'' کو جنم دیا۔ جس سے الفاظ بنے اور معانی وجود میں آئے۔ یوں انسانوں کے درمیان مشترک ربط باہم ہوا۔ ایک ''زبان'' وجود میں آ گئی۔

تین ہزار سال قبل از مسیح میں مصریوں کے ہاں چوبیس حروف تہجی رائج تھے۔ یوں انسان نے لفظوں کے وسیلے سے

اپنا اظہار وابلاغ کرنا شروع کردیا۔ وہ اپنا پیغام مٹی لوحوں، پتھر کی سلوں، کپڑے کے پارچوں، چمڑے کے ٹکڑوں، درختوں کی چھال اور سرکنڈوں کے گودے سے بنائے ''پیپرس'' پر تحریر کر کے دوسروں تک منتقل کرتا رہا۔

اظہار وابلاغ انسان کی سب سے بڑی ضرورت تھی، ہے اور رہے گی۔ انسان نے بات چیت کی ابتداء کی۔ یہ انسان کی بڑی کامیابی تھی۔ چہ جائیکہ وہ انہیں تحریر بھی کرنے لگا۔ انسان نے مختلف خطوں اور ماحول میں رہائش کی، اسی اختلاف سے مختلف زبانیں وجود میں آئیں۔ ان مختلف زبانوں کے ساتھ حکمت و دانائی، علم و دانش اور تجربات بھی بڑھتے چلے گئے، جسے انسان نے ایک دوسرے سے شیئر کیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے تقریباً دوسوسال قبل چین میں کاغذ سازی کی ابتداء ہوئی۔ کاغذ کی وساطت سے صدیوں سے جمع شدہ انسانی حکمت و دانائی اور تجربات نے فروغ پایا۔ علم و دانش، لگن اور تڑپ نے انسان کو آواز، اشارے، تصاویر، علامات اور حروف تہجی سے متعارف کرایا۔ جس کی بدولت انسان نے مظاہر قدرت پر قابو پانا شروع کر دیا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ''علم الاسماء'' جیسی نعمت سے انسان کو سرفراز کر کے حکمت و دانائی اور علم و دانش جیسی قوت ودلیعت کر دی تھی۔ مظاہر فطرت پر غلبہ پانا بھی اس کی فطرت ہے اور اسی باعث وہ اشرف المخلوقات جیسی سرفرازی اس کا مقدر ٹھہری، وہ انفرادی حکمت و دانائی کو اجتماعی علم و دانش میں شامل کرتا چلا جا رہا ہے۔ انسان جس قدر علم کو فروغ دیتا ہے وہ اجتماعی علم قوت بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ پھیلی ہوئی کائنات میں اپنی عظمت کے نشان چھوڑتا چلا جا رہا ہے۔

انسان کی تاریخ جو ہم تک پہنچی ہے وہ انسان کے متعلق چھ ہزار سال تک کی روداد سناتی ہے پھر اس کے پیچھے اندھیرا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ تاریخ کا انحصار قوت حافظہ پر نہیں بلکہ تحریروں، نوشتوں اور کتبوں پر ہے۔ انسان کی کے ہاتھ سے نکلی ہوئی پہلی تحریر کا وجود سات ہزار سال قبل از مسیح مجسم ہوا لیکن انسان کی ابتدائی نسل کا وجود تو دس لاکھ سال پہلے سے ہے۔ انسان غار کی زندگی سے نکل کر جدید دنیا بنانے میں کامیاب ہوا اور اس کی بدولت انسانی مہم جو فطرت، آئندہ مستقبل میں کائنات کے وہ رمز آشکار کرے گی جن کے متعلق اب تک گمان بھی نہیں کیا گیا۔ انسان کو یہ ساری سرفرازی اظہار وابلاغ کے وسیلے سے ہے ورنہ اظہار وابلاغ جیسی نعمت سے محرومی کے باعث اس کی زندگی جانوروں سے قطعاً مختلف نہ ہوتی۔
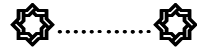
''وہ اللہ جس نے انسان کو سکھایا قلم سے اور وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

(علق-4)

تحریر کی تاریخ

فن تحریر کی تاریخ کو مندرجہ ذیل اہم ادوار میں دیکھا جاسکتا ہے۔

1۔ تصویر نگاری کا دور

انسان نے اپنے اظہار وابلاغ کے لئے پہلے پہل تصویروں کا سہارا لیا۔ وہ تصویریں بناتا تھا۔ ابتداء میں یہ تصویریں نہایت بھونڈی اور بے تکی تھیں لیکن دھیرے دھیرے وہ صاف صاف اور واضح بلکہ اصل کے قریب تر بنانے لگا۔ اس نے ان تصویروں میں رنگ بھی بھرے۔

2۔ خاکہ نگاری کا دور

تصویر نگاری کے بعد ایک ایسا دور بھی آیا کہ جب انسان نے تصویر بنانے کی بجائے چند آڑھی ترچھی لکیروں سے اظہار مدعا کرنے لگا۔ اس سے انسان کا ابلاغ ہونے لگا۔ یوں خاکہ نگاری سے اپنے خیالات کی ترسیل کرنے لگا۔

3۔ علامت نگاری کا دور

تصویر اور خاکے بنانے کے بعد ایسے نقوش بنانے لگا جس کے بنانے میں آسانی بھی تھی اور وقت بھی تھوڑا خرچ ہوتا تھا۔ اس میں اہم بات یہ تھی کہ ابلاغ میں مزید سہولت پیدا ہوگئی۔ یہ دور رمز نگاری یا علامت نگاری کا دور کہلایا۔

4۔ تصور نگاری کا دور

انسان نے ان رمزیہ نقوش کو خاص تصورات کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ یہ درحقیقت انقلابی ترقی کی جانب ایک اہم قدم رکھتا تھا۔ اس کو تصور نگاری کا دور کہتے ہیں۔

5۔ آواز نگاری

انسان نے مزید ترقی کی اور حلق سے نکلنے والی آوازوں کو الگ الگ نقش دے کر اسے خصوصیت دے دی یعنی آواز

اور نقش کے ساتھ رابطہ جوڑ دیا گیا۔ یہ دور آواز نگاری کا دور کہلایا۔اس سے زبان وجود میں آ گئی۔

6۔ ابجد نگاری کا دور

جس طرح آواز اور نقش کا باہمی ربط ہوا۔اسی طرح خاص نقش کو ابجد کہا جانا لگا یوں حروف وجود میں آئے جنہیں باہم جوڑ کر لفظ بنائے جانے لگے۔لفظ بننے کے ساتھ ہی تحریر وجود میں آ گئی۔ یہ ابجد نگاری کا دور کہلایا۔

اگرچہ یہ بات حتمی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ تحریری خط کس خطے میں ایجاد ہوا۔تاہم محققین اور ماہرین کا خیال ہے کہ دنیا میں وادی دجلہ وفرات اور وادی نیل دو ایسے خطے ہیں جہاں پر بسنے والی قوموں کے تمدن بارے نشانیاں دریافت ہوئی ہیں۔ دریائے دجلہ وفرات کی درمیانی خشک زمین پر انسانی تہذیب وتمدن کا آغاز ہو چکا تھا۔سمیری، آشوری، کلدانی اور بابلی قومیں وہاں پر پھلی پھولیں۔ان میں سمیری قوم کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے انسان کو فن تحریر دیا۔تحریر کے اس رسم الخط کو ''پیکانی رسم الخط'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا رسم الخط تھا جیسے نوکیلی لکڑی کے ذریعے مٹی کی بنائی گئی تختیوں پر کھود کر لکھا جاتا تھا۔ یہ ایک تکونی طرز تحریر تھا جو قبل از مسیحؑ چوتھے ہزارے میں سامنے آیا۔

"وھوا اول خط بالقلم و خاط الثیاب و التخذ السلاح و قاتل الکفار و نظر فی علم النجوم و الحساب......"

وہ پہلا شخص جس نے قلم سے تحریر لکھی، کپڑا سیا، ہتھیار بنائے، کافروں سے جنگ کی اور علم نجوم اور حساب میں مہارت پیدا کی......"

وہ پہلا شخص اخنوخ (Enoch) تھا جو درس وتدریس کی کثرت کے باعث ادریس کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ اخنوخ جو درس وتدریس کے باعث ادریس مشہور ہوئے اللہ کے برگزیدہ نبی ادریسؑ تھے۔ان کا زمانہ طوفان نوح سے قبل کا ہے اور طوفان کے بارے میں اندازہ ہے کہ وہ 3800 سال قبل از مسیحؑ برپا ہوا تھا۔ بابل کے قدیم باشندے کلدانی کہلاتے تھے۔ان کے نبی کو یونانی میں ہرمس، عبرانی میں شیث اور عربی میں ادریسؑ کہتے ہیں۔ وہب بن منبہ تابعی کی روایت کے مطابق تحریر کا فن انہوں نے ایجاد کیا۔

وادی نیل میں مصری تہذیب وتمدن بھی پروان چڑھ رہا تھا۔ان کے ہاں تصویری طرز تحریر نے خاصی ترقی کر لی تھی۔ وہ اپنے اظہار وابلاغ کے لئے تصویریں بنا دیتے۔ رفتہ رفتہ یہی تصاویر انسانی آواز کے مطابق ڈھلنے لگیں۔اس طرح دنیا کی

پہلی حروف تہجی وجود میں آ گئی تھی۔ تصویری نقوش سے جب یہ رمز یہ تحریر میں ڈھلا تو ''ہیروغلیفی خط'' کہلایا۔ یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مقدس تحریر کے ہیں۔ یہ خط کاہنوں، مذہبی پروہتوں سے ہوتا ہوا، اعمالِ حکومت کے ہاتھوں میں گیا۔ استعمال میں کثرت ہوئی تو اس سے مزید روانی اور سہولت پیدا ہوگئی۔ تین ہزار قبل از مسیحؑ میں مصریوں کے ہاں چوبیس حروف تہجی موجود تھے۔

ارض بابل سے ہجرت کر کے سامی نسل کی ایک شاخ شام کے علاقے کنعان میں آباد ہوئی۔ اس شاخ کو آرامی کہا جاتا تھا۔ آرامیوں کا شہر دمشق تھا۔ یہ تاجر اور ملاح تھے۔ زمین اور سمندر میں اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ان کی زبان میں لکھا ہوا ایک کتبہ برازیل کے جنگلوں میں سے دستیاب ہوا ہے۔ یہ کتبہ شام کے بادشاہ ''احیرام'' کے عہد کا ہے جو 900 سال قبل از مسیحؑ میں تھا۔

بابل اور مصر دو متمدن ملک شمار ہوتے تھے۔ اس وقت ان دونوں ممالک میں تحریر کے سلسلے میں علامتی نقوش ایک خاص سطح پر آ کر رک گئے تھے۔ آرامیوں کا ملک شام ان دونوں متمدن ممالک کے درمیان واقع تھا اور یہی دو ملک ان کی گزرگاہ تھے۔ تجارتی معاملات میں بھی ان کے روابط تھے۔ آرامی ان کے رسم الخط سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے۔ تجارتی ضرورت نے ایک آسان ترین رسم الخط کی ایجاد بارے ضرورت کا احساس دلایا۔ آرامی قوم کی یہ کوشش رنگ لائی اور آوازوں کے نشانات وضع کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ نشانات، حروف کہلائے جنہیں جوڑ کر لفظ بنا لئے جاتے تھے۔ یہی سادہ سی ایجاد انسانی تاریخ میں انتہائی اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا میں حروف ابجد کی ایجاد آرامی نسل کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ مشہور و معتبر مورخ ٹائن بی آرنلڈ (Toyn bee Arnold) اپنی مشہور عالم کتاب ''مطالعہ تاریخ (1934-1954)'' میں لکھتا ہے۔

''سامی نسل نے عالم انسانیت کو تین گراں قدر عطیات دیئے۔

ا۔ توحید الٰہ کا تصور

۲۔ بحر اوقیانوس کا انکشاف

۳۔ حروف ابجد کی اختراع۔''

اس وقت تحریری ترقی اس وجہ سے بھی ممکن نہیں ہو پائی تھی کہ اصل میں انسان کے پاس کوئی ایسی شے نہیں تھی جس پر

لکھا جاتا اور نہ ہی کوئی ایسی چیز جس سے لکھ سکتا تھا۔ سب سے پہلے جس شے کا پتہ ملتا ہے وہ پیکانی تحریر ہے جو میخ یا نوکیلی لکڑی سے مٹی کی لوحوں پر لکھا جاتا۔ اس کے بعد ہرن کی کھال پر لکھا گیا۔ اس کھال کو چھل چھل کر پتلی سی جھلی کی مانند بنالیا جاتا تھا۔ مٹی کی اینٹوں پر تحریریں لکھی گئیں، ایسے خشتی کتب خانے ایران، عراق، شام اور ترکی کے مختلف مقامات پر دریافت ہوئے ہیں۔

تحریر میں اس وقت انقلابی ترقی ہوئی جب مصریوں نے ''پے پی رس'' ایجاد کرلیا۔ دریائے نیل کے کنارے پر پانی کے اندر سرکنڈے قسم کا پودا اگتا تھا۔ مصری زبان میں اسے ''بردیٰ'' اور یونانی میں پے پیرس کہتے تھے۔ سرکنڈے کے اندر سے گودا نکال کر اس کے پتلے پتلے ٹکڑے تراش لئے جاتے۔ ان ٹکڑوں کو اوپر تلے رکھ دیئے۔ درمیان میں گوند لگا کر چپکائے۔ پھر بھاری پتھر کے تلے دبا کر خشک کرتے۔ اس طرح ایک تختہ کاغذ نما حاصل کرلیا جاتا۔ جسے ہاتھی دانت سے رگڑ کر اس کی سطح صاف ملائم کرلی جاتی۔ یہ کاغذ نما تحریر لکھنے کے لئے تیار ہوتا۔ لکھنے کے لئے نرکل کا قلم استعمال کیا جاتا تھا۔

پیپرس کی ایجاد نے اس دور کے مطابق تحریر کو انتہائی عروج دیا۔ مصری دانش مندوں، بابل کے کاہنوں اور ستارہ شناسوں، ایران کے عاقلوں، یروشلم سے اسیر کر کے بابل لائے جانے والے پیغمبروں، یونانی، رومی، بازنطینی حکیموں اور فلسفیوں کی حکمتیں پیپرس پر لکھی جاتی، جو پھلی، پھولیں اور پھیلیں۔ مگر ایک محدود حد تک۔

فن تحریر کو انتہائی درجے کا فروغ دینا اور عوامی سطح تک لے آنے کا سہرا چینیوں کے سر ہے۔ 105ء میں زائی لون نے شہنشاہ وقت کو کاغذ سازی کے بارے میں اپنی معلومات واختراع بیان کیں۔ جس پر شہنشاہ نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور چین میں کاغذ سازی کی ابتداء ہوگئی۔ یہ ایک ایسا انقلابی قدم تھا جس سے فن تحریر عوامی سطح پر آ گیا۔ آٹھویں صدی کے درمیانی عرصے میں کاغذ سازی کا ہنر عربوں کے ہاتھوں سپین تک پہنچا۔ وہیں سے تقریبا پانچ سو سال بعد میں، یہ سارے یورپ میں پھیل گیا۔ کاغذ کے وسیلے سے صدیوں سے جمع شدہ انسانی حکمت و دانائی، علم وحکمت اور افکار وخیالات کا ورثہ محفوظ ہو کر نسل در نسل چلتا چلا جا رہا ہے اور اس سے نت نئی زبانیں وجود میں آتی چلی گئیں۔

دراصل فن تحریر انسان کی فطری صلاحیت تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ ملنے والی سہولیات میں فروغ پاتا چلا گیا۔ آواز سے کاغذ تک کے سفر میں ابلاغ ہی کی تڑپ موجود تھی جس پر انسان نے قابو پالیا۔
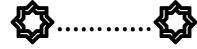
فن تحریر کے اثرات

تحریر کی بدولت جہاں انسان اظہار وابلاغ کی بے بسی سے نکل کر کائنات اور فطرت کا رمز آشنا ہوگیا ہے، وہاں تحریر لکھنے والے لکھاری کی اپنی انفرادی زندگی پر بھی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر چہ یہ اثرات حتمی نہیں ہیں۔ کیونکہ ہر شخص اپنی الگ سے انفرادی حیثیت رکھتا ہے اور اس پر مختلف اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ تاہم ایک تاثر کے طور پر انتہائی اختصار کے ساتھ ان اثرات کی جھلک پیش ہے۔

لکھنے کے علمی اثرات

انسان اپنے اظہار کے لئے جو تحریر لکھتا ہے اس کے لئے وہ کوئی نہ کوئی زبان استعمال کرتا ہے۔ لکھنے کے باعث وہ اس زبان پر دسترس حاصل کر لیتا ہے۔ ہر زبان، الفاظ کا مجموعہ ہوا کرتی ہے۔ لکھاری کو قوت لفظ کا ادراک ہو جاتا ہے۔ کہ کہاں کون سا لفظ استعمال ہوگا۔ جس سے وہ اپنا مدعا بہترین انداز میں بیان کر سکتا ہے۔ تاکہ موثر ترین ابلاغ ممکن ہو سکے۔ انسانی ذہن......! خیال اور سوچ کا منبع ہے۔ مختلف انفرادی خیالات اور سوچیں جب سامنے آتی ہیں تو کئی طرح کے موقف پیدا ہوتے ہیں۔ لکھاری زبان پر دسترس اور قوت لفظ کے باعث اپنے موقف کی وضاحت بہترین انداز میں کر سکتا ہے۔ زندگی اور ماحول میں سامنے آنے والے نت نئے انکشاف، تجربات اور خیالات اس کی ذہنی رسائی کو بڑھا دیتے ہیں جس کے باعث اس کی قوت استدلال میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اپنے موقف کی وضاحت اور قوت استدلال میں اضافہ کے لئے لکھاری اپنے علمی ورثہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور یہی توجہ اسے تحقیق پر آمادہ کرتی ہے۔ یوں لکھاری علمی لحاظ سے محقق کا درجہ پا جاتا ہے۔ معیاری تحریر اسے سمجھا جاتا ہے جو لکھاری کی سوچ و خیال دوسروں پر آسانی سے واضح کر دے۔ اس طرح نہ صرف لکھاری کی اپنی تحریر کا علمی معیار بلند ہوتا ہے۔ بلکہ وہ دوسروں کی تحاریر کے بارے میں بہتر رائے قائم کر سکتا ہے۔ کسی

بھی تحریر کی جان، وہ معلومات ہوتی ہیں۔ جنہیں لکھاری پیش کرتا ہے۔ معلومات کی پیش کاری کے لئے فطری طور پر وہ نت نئی معلومات کا ذخیرہ جمع کرنے کی کوشش کرے گا۔ یوں تحریر کے باعث علمی طور پر لکھاری کی معلومات میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

لکھنے کے ابلاغی اثرات

لکھاری ہمیشہ موثر تحریر لکھنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ وہ قارئین کے خیالات و جذبات پر اثر انداز ہو جائے۔ موثر تحریر کے لئے ضروری ہے کہ لکھاری اپنے قارئین کی نفسیات سے آشنا ہو۔ یوں وہ فطری طور پر قارئین کی نفسیات سے آگہی حاصل کر کے ان کے معیار کے مطابق تحریر لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے قارئین کی ذہنی سطح اور معیار کیا ہے، سو وہ معاشرے کے مختلف طبقات کی ابلاغی ضرورت (اصطلاحات و اشارات) کو سمجھتا ہے۔ یوں وہ مختلف علوم سے شناسائی پاتا ہے۔ زبان پر دسترس کے باعث لکھاری کو زبان کی ماہیت اور مزاج سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ وہ لفظوں کے معنی اور معنوی آہنگ سے لاشعوری طور پر آگاہ ہوتا ہے۔ اسی باعث وہ لطیف سے لطیف ترین احساسات و جذبات کا ابلاغ آسانی سے کر سکتا ہے۔ ہر زبان اپنی الگ سے ماہیت اور ساخت رکھتی ہے۔ جب ایک زبان سے معلومات دوسری زبان میں منتقل کی جاتی ہے تو لکھاری دونوں زبانوں کے ثقافتی و علمی ورثہ سے آگہی پاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ دوسری زبان میں موثر ابلاغ کر سکتا ہے۔

لکھنے کے معاشرتی اثرات

میں معاشرے ممتاز اور منفرد ہوتا ہے۔ یہ اعزاز اسے معاشرہ کی مخلصانہ ترجمانی کے باعث ملتا ہے۔ معاشرہ کے افراد اگر چہ اپنے خیالات و احساسات کا ابلاغ تو کرتے ہیں تاہم موثر، مربوط اور منظّم انداز میں اپنے خیالات و جذبات کی ترسیل لکھاری ہی کر سکتا ہے۔ یوں وہ اعلیٰ ،ٹھوس اور موثر خیالات ہی سے اپنے ذہن کی آبیاری کرتا ہے۔ لکھاری چونکہ فضول مشاغل میں وقت ضائع نہیں کرتا بلکہ اپنے وقت کا بہترین استعمال کرتے ہوئے فضولیات محض سے کنارہ کش رہتا ہے۔ اس لئے وہ بہت سی معاشرتی برائیوں سے بچا رہتا ہے۔ لکھاری اپنے معاشرے کے مسائل، ترقی و تنزلی اور افراد کی کوششوں پر نگاہ رکھتا ہے۔ یہی ماحول اس کی تحریروں کا رخ متعین کرتا ہے۔ یوں فطری طور پر اس کی قوت مشاہدہ میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشرہ کو بہترین لائحہ عمل دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ چونکہ حکمت و دانائی اور علم و دانش کے ورثہ کو اگلی نسل تک منتقل

کرنے میں لکھاری ہی وسیلہ بنتا ہے۔اس لئے فطری طور پر حکمت و دانائی اور علم و دانش سے اس کی ذہن سازی ہوتی ہے۔
انہی وجوہات کے باعث ایک لکھاری معاشرے کا بہترین فرد ہوتا ہے۔

لکھنے کے اخلاقی اثرات

سوچ کا لفظ میں ڈھلنا اور تحریر کا وجود میں آ جانا دراصل اعتماد جیسی دولت کا متقاضی ہے۔لکھاری میں موجود قوت اعتماد ہی اسے لکھنے کی طرف مقائل کرتی ہے۔لکھاری کسی نہ کسی مقصد کے تحت لکھتا ہے۔وہ جس قدر اعلیٰ مقاصد کا تعین کرتا ہے، اسی قدر ہی اخلاقی لحاظ سے بلند مقام پاتا ہے۔کیونکہ اعلیٰ مقاصد کا حصول ہی اعلیٰ شخصیت کا باعث بنتا ہے۔محض مادیت کے علاوہ انسان اپنے جمالیاتی ذوق کی تسکین بھی چاہتا ہے۔وہ اپنے خوبصورت ارمعیاری ذوق کو دوسروں تک پہنچا کر خوشی محسوس کرتا ہے۔تاکہ دوسروں کو بھی روحانی مسرت میں شامل کر لیا جائے۔اعلیٰ مقاصد، اعلیٰ خیالات اور اعلیٰ ذوق کی تبلیغ و ترویج کا موثر ذریعہ تحریر ہے۔محض گفتگو، ہوا میں تحلیل ہوسکتی ہے۔مگر تحریر دوام پاتی ہے۔لکھاری اپنے افکار و خیالات کی تبلیغ و ترویج بڑے احسن انداز سے کر سکتا ہے۔فکر و تخیل کی ترتیب و تہذیب سے انسانی رویے سمجھنا بڑا آسان ہوتا ہے اور لکھنا چونکہ انہی بنیادوں پر ہوتا ہے۔اس سے فطری طور پر تحمل، برداشت اور بردباری پیدا ہوتی ہے۔

لکھنے کے نفسیاتی اثرات

لکھاری بھی دیگر انسانوں کی طرح جذبات کا مرقع ہوتا ہے۔لیکن وہ عام آدمی سے کہیں زیادہ معاشرتی رویے اور ماحول کو نہ صرف محسوس کرتا ہے۔ بلکہ اپنی حساس طبع کے باعث وہ معاشرے میں کسی بھی روش کو ختم کرنے یا نئی اقدار کو سراہنے کی سعی کرتا ہے۔وہ معاشرے کے رویے سے پیدا ہونے والے احساسات کو صفحہ قرطاس پر لکھ کر اپنا فرض نبھاتا ہے۔ جس سے اس کی تسکین ہوتی ہے۔مختلف انسانی رویے کیسی صورت حال پیدا کرتے ہیں۔ان کا تاثر انفرادی زندگی پر یا اجتماعی طور پر معاشرتی کیفیت پر کیا پڑتا ہے۔ایسا انداز فکر انسانی نفسیات کا گہرائی سے مطالعہ کرتا ہے اور یہی مطالعہ ہی انسانی رویے کے مشاہدے کا باعث بنتا ہے۔جس سے لکھاری عمومی طور پر کسی بھی رویے اور اس رویے کے تحت ہونے والے امر واقعہ کے منطقی انجام سے قبل از وقت آگاہ ہوجاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں لکھاری رویہ شناس ہوتا ہے۔کسی بھی تحریر کے لئے پرسکون سوچ کا ہونا اشد ضروری ہے۔عمومی تحاریر کے علاوہ تخلیقی تحریروں کے لئے پرسکون سوچ ضروری ہے جس سے لکھاری بھی پرسکون سوچ رکھنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

لکھنے کے روحانی اثرات

انسان اپنی مادی تسکین کے ساتھ روحانی تسکین بھی چاہتا ہے۔اس کے اندر جذبات واحساسات کی اتھاہ گہرائیاں موجود ہیں۔جن کے اظہار واخذ سے وہ روحانی طور پر مضبوط ہوتا ہے۔لکھاری میں ایسے روحانی اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ لکھنے کے لئے جب لکھاری بنیادی معلومات کی طرف رسائی حاصل کرتا ہے تو اسے اپنے بارے میں بھی سوچنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔لاشعوری طور پر وہ اپنے اندر جھانکتا ہے۔تبھی تخلیقی وجدان کے ساتھ روحانی اسرار کھلتے ہیں۔انسان اور کائنات کا تعلق غیر مرئی مگر انتہائی مضبوط بندھن میں بندھا ہوا ہے۔ یہ سوچ کی طاقت ہی ہے جو کائنات بارے رمز آشنائی کا باعث بنتی ہے۔لکھاری کی قوت پرواز کائنات کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔یوں لکھاری کائنات کا رمز آشنا ہو جاتا ہے۔انسان کی سرشت میں عبودیت کا عنصر پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔لکھاری کسی نہ کسی تخلیقی منبع سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے پاس نظریہ حیات ہوتا ہے اس لئے وہ بہتر طور پر اور بہترین انداز میں فطری مقاصد کی تکمیل میں ایک جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔انسان کے ظاہرہ اعضاء کے علاوہ اس کے اندر ایک روحانی نظام بھی کارفرما ہوتا ہے۔جس کی واضح مثال ''ضمیر'' ہے۔ایک لکھاری اپنے اندرونی نظام کو جلد اور فطری انداز میں پا لیتا ہے۔

لکھنے کے جسمانی اثرات

انسانی جسم میں دماغ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔اور وہی پورے بدن پر حکمرانی کرتا ہے یہ انسانی دماغ کی رسائیاں ہی ہیں کہ وہ نت نئے انکشافات اور رموز کی گھتیاں سلجھا رہا ہے۔لکھاری انہی دماغی رسائیوں ہی سے کام لے کر وجدانی کیفیات کا اظہار کرتا ہے۔ یہی وجدانی کیفیات اس کی ذہنی وسعت کا باعث بنتی ہیں۔جس سے زندگی اور مقاصد زندگی کو نہ صرف سمجھا بلکہ پرکھا جاتا ہے۔انسانی سوچ کا اثر اس کے بدن پر بھی پڑتا ہے۔صحت منداور مثبت سوچ اسے تندرست اور توانا رکھتی ہے۔اس میں جینے کی امنگ اور خواہش بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ایک لکھاری کو لاتعداد افکار و تخیلات سے واسطہ پڑتا ہے۔انہی افکار وتخیل کی ترتیب وتہذیب میں ہی خود تربیتی کے مراحل سے گزر جاتا ہے۔جس سے قوت برداشت پیدا ہوتی ہے۔چونکہ انسانی دماغ ہی سوچ کا منبع ومرکز ہیں۔ یہاں لاتعداد سوچیں ایک انتشار کی سی کیفیت پیدا کر دیتی ہیں۔ایک لکھاری اعلیٰ اور مفید سوچوں کو محفوظ رکھتا ہے۔گھٹیا اور مضر سوچوں کو ضائع کر دیتا ہے۔تاکہ انتشاری کیفیت اس کی تحریروں میں نہ جھلکے،اس طرح وہ فطری طور پر پرسکون ذہن کا مالک ہوتا ہے۔
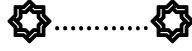
فن تحریر کی بنیادیں

☆ مثبت سوچ
☆ جرأت عمل
☆ مقام استاد
☆ احساس صلاحیت
☆ جذبہ تخلیق
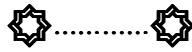
مثبت سوچ

سوچ......! تین حروف پر مشتمل ایک چھوٹا سا لفظ ہے۔لیکن اپنی اہمیت کے اعتبار سے انسانی زندگی میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ ہمارا دماغ کسی بھی وقت، کسی بھی سوچ سے خالی رہے۔ہم کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں۔ یہ ایک عام سی بات ہے کہ ہم سوچتے ہیں۔مگر کیا واقع ''سوچنا'' ایک عام سی اور معمولی سی بات ہے۔کیا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ یہ نعمت معمولی حیثیت کی حامل ہے۔ اگر ذرا سا خیال کریں تو احساس ہوگا کہ سوچ کوئی معمولی اور عام سی نعمت نہیں بلکہ یہ اس قدر عظیم ہے کہ جس نے انسان کو اعلیٰ وارفع مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔

ہم نے کبھی غور کیا کہ یہ بلندوبالا خوبصورت عمارتیں، ہواؤں میں اڑاتے ہوئے طیارے، پانیوں پر تیرتے ہوئے بحری جہاز، رنگارنگ دنیا دکھاتا ہوا ٹیلی وژن، لمحوں میں معلومات دینے والا کمپیوٹر، لائبریروں میں موجود کتابیں، ہمارا لباس، وقت بتانے والی گھڑی، یہ سب کیسے وجود میں آیا۔اگرچہ اس میں انسانی محنت تو شامل ہے لیکن محنت ہوئی کیسے؟ پہلے یہ سب خیال میں آیا، سوچ پیدا ہوئی اور پھر اس سوچ کو وجود مل گیا۔

سوچ......! ایک عطیہ ہے، نعمت ہے۔ یہ ہمارے دماغ میں پیدا ہوتی ہے۔ اور ہمارے اعمال، خیالات، رویے، احساسات اور جذبات اسی سوچ کا عکس ہوتے ہیں۔ اگر ہم اچھی سوچ سوچتے ہیں تو اس کا عکس اچھا نظر آتا ہے۔لیکن اگر ہم بری سوچ سوچیں گے تو اس کا عکس برا ہی ہوگا۔ چونکہ اچھی اور بری سوچ کا منبع ومرکز ہماری اپنی ذات ہوتی ہے۔اس لئے اچھی یا بری سوچ کا فائدہ یا نقصان بھی ہماری ذات ہی کو ہوتا ہے۔مثال کے طور پر ایک روشن کمرہ ہے۔جس میں صاف ستھرا فرنیچر، دھلے ہوئے اجلے پردے ہوں، تازہ پھولوں سے معطر خوشبو والا گلدان

ہو۔ ہوا کی آمد و رفت کے باعث خوشگواریت کا احساس ہو، خوبصورت تصویروں سے دیواریں مزین ہو، ہر چیز میں ترتیب اور سلیقہ ہو۔ وہاں ہم سکون محسوس کریں گے۔لیکن ایسا کمرہ جہاں اندھیرا ہو،ٹوٹا پھوٹا فرنیچر، دھول اور مٹی سے اٹا ہوا۔سلین زدہ، جس سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہو۔ ہوا کی آمد و رفت نہ ہونے کے باعث سانس گھٹتا ہوا محسوس ہو۔ایسے کمرے میں کیا سکون اور آرام ہوگا؟ ذرا سی عقل رکھنے والا انسان اس کا موازانہ کرسکتا ہے کہ وہ کون سا کمرہ پسند کرے گا یہی حال اچھی اور بری سوچ کا ہے۔اپنے دماغ کو ایک کمرہ تصور کر لیں تو اچھی سوچ روشن اور خوشگوار کمرے کی فضا کی مانند ہے جو انسانی ذات کو سکون پہنچاتی ہے اور بری سوچ انسان کو بےسکون اور منتشر کر کے رکھ دیتی ہے۔

ہم کیا سوچ رہے ہیں؟ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ وہ کون سی ایسی سوچیں ہیں جو ہماری ذات کو حقیقت میں فائدہ دینے والی ہیں۔کہیں ہم ایسی سوچیں تو نہیں سوچ رہے کہ جس سے ہماری ذاتی انرجی ضائع ہو جانے والی ہو۔جیسے ایک طالب علم ایسے طریقے پر غور کر رہا ہو کہ اپنے سبق پر دھیان دینے کی بجائے، بغیر محنت کے اچھے اور اعلیٰ نمبر کیسے حاصل کئے جا سکتے ہیں؟ یہ سوچ کا منفی انداز ہے۔اگر طالب علم اپنے سبق پر دھیان دے، محنت بھی کرے اور سوچ و بچار کرے کہ اچھے اور اعلیٰ نمبر کیسے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔تو یہ سوچ کا مثبت انداز ہے۔ پہلے والے معاملے میں وقت، محنت اور اپنی انرجی ضائع کرے گا۔جبکہ دوسرے معاملے میں وہ وقت اور محنت کا صحیح استعمال کر کے نہ صرف مزید انرجی حاصل کر پائے گا بلکہ وہ اپنے اندر موجود توانائی کو بہتر اور جائز مقام پر خرچ کرے گا۔

ماہرین نفسیات اور میڈیکل سائنس والے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ انسانی دماغ میں اللہ تعالیٰ نے ایسی خوبی رکھ دی ہے کہ اگر انسان جو بھی سوچ اپنائے، چاہے وہ مثبت ہے یا منفی، انسان کو اس راستے پر آگے ہی آگے لئے چلی جاتی ہے۔اب اگر اچھی اور مثبت سوچ ہوگی تو اس سے شخصیت میں ہمدردی، خداترسی، نرم دلی، بہادری، جرأت، سکون قلب، اعتماد اور ذہنی پختگی پیدا ہو جائے گی۔لیکن اگر سوچ منفی یا بری ہوگی تو خوف، بے قراری، لالچ، غصہ، ڈر، مایوسی، بزدلی اور قنوطیت جیسے جذبات ذہن کو مغلوب کر لیتے ہیں۔ یہ منفی جذبے انسانی زندگی پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

کیا ہم نے کبھی خود پر غور کیا کہ ہم کیا سوچتے ہیں۔ذرا سا ٹھہر کر غور کریں اور اپنی سوچ کو پرکھ لیں۔ہمیں اپنے اندر

ہی سے خالص جواب مل جائے گا کہ ہم کیا سوچ رہے ہیں اور اس سوچ کے نتیجے کے طور پر ہمارا کیا حال ہے۔ یہ خیال، یہ رویہ، یہ برتاؤ آخر کس چیز کا عکس ہے۔ تخلیقی عمل میں سوچ ہی لاشعور کے در کھولتی ہے۔ جس سے وجدان نصیب ہوتا ہے۔ مثبت سوچ ہمیشہ اعلیٰ اقدار اور روایات کے ساتھ وہ گیان بخشتی ہے کہ خود انسان حیران رہ جاتا ہے۔
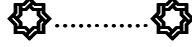
جرأت عمل

عمل......! کسی بھی جدو جہد کے لئے لازمی شرط اور کسی بھی کامیابی کے لئے اہم ترین راز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ عمل ہی ہے جس کے جادوئی اثر سے زندگی کے مسائل کو حل کیا جاتا ہے۔

انسان اپنی زندگی میں لامحدود سوچیں سوچتا ہے۔ ڈھیروں منصوبے بناتا ہے اور پھر خیالوں ہی خیالوں میں ان کی تکمیل بھی کر لیتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان منصوبوں کے نتائج بارے بھی آگاہ ہو جانے کی حد تک اندازے لگا لے۔ مگر یہ سب عکس ہے، سایہ، ہے، حقیقی دنیا میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ حقیقت کا روپ اسی وقت میسر آتا ہے جب عمل کیا جائے۔

حضرت اقبالؒ نے ہر فرد کو ملت کے مقدر کا ستارا کہا ہے۔ اس بات میں سمندروں کی سی گہرائی ہے۔ ہر شخص اپنے طور پر بہت ہی اہم ہے۔ درجات کے اعتبار سے دائرے ہیں اور ان دائروں میں حقوق بھی ہیں اور فرائض بھی۔ یہ حقوق و فرائض ہی ہیں جن کے باعث ہم اپنے معاشرے کے ساتھ تعلق جوڑے ہوئے ہیں اور معاشرہ ہمیں اپنے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ ہم اپنے عمل کے ذریعے ہی معاشرے کی خدمت کرتے ہیں اور معاشرہ ہماری خدمت پر مامور ہے۔ اگر ہم فرداً فرداً اپنے معاشرے کو صحیح ترین خدمات سے نوازیں گے تو کچھ شک نہیں کہ ہماری خدمت بھی صحیح ترین ہوگی۔ ہوسکتا ہے یہاں یہ سول پیدا ہو جائے کہ ہم ہی کیوں؟ اس کے جواب میں بہت ساری دلیلیں دی جاسکتی ہیں، لیکن......! کیا یہ بات اہم نہیں ہے، ہم اپنے حصے کا فرض ادا کر کے سکون قلب حاصل کر لیں؟ اس سوچ سے پیشتر کہ معاشرہ ہماری خدمت میں پہل کرے، کیوں نا ہم خود عملی قدم اٹھالیں۔ یہی جرأت عمل ہے۔

منزل کا تعین کر لینا ایک الگ بات ہے اور منزل کی جانب اٹھنے والا قدم ایک دوسری بات۔ یہی دوسری بات عمل ہے۔ جب تک منزل کا تعین کیا گیا۔ منزل ہنوز اپنی جگہ اتنے ہی فاصلے پر تھی، لیکن جونہی قدم اٹھایا گیا، منزل کو سر کرنے کا سفر کم ہونا شروع ہو گیا۔ ایسا کرنے میں جرأت عمل ہی کارفرما ہے۔ مثال کے طور پر ایک طالب علم کتاب تو

پڑھنا چاہتا ہے لیکن کتاب اس کے ہاتھ میں نہیں، تب تک علم اس سے دور ہے۔ جونہی وہ کتاب کو اپنے ہاتھوں میں لے کر پڑھنا شروع کرے گا۔ بوند بوند علم، ایک بحر بیکراں کی صورت اس کے سامنے نمودار ہو جائے گا۔ تب پھر اضافہ ہی اضافہ ہے، کمی نہیں۔

بسا اوقات ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو کام ہم کرنے جا رہے ہیں، ہمارے بس میں نہیں یا ہم اسے نہیں کر سکتے یا پھر اس کام کے مکمل کر لینے کا کوئی طریقہ یا راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہوتا۔ تاہم مشاہدہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں پختہ عزم کے ساتھ اگر ایک کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے عملی قدم اٹھا لیا گیا ہے تو پھر اسی کام نے خود، ایسے طریقے بتائے ہیں، جس سے وہ کام مکمل ہو گیا۔ ایسے ہی کسی طریقہ یا انکشاف کو ''تجربہ'' کہتے ہیں جو کامیابی کے راستے پر چلنے والے کسی بھی راہی کے لئے زادِ راہ ہوا کرتا ہے۔

کسی بھی کامیابی کے لئے دو چیزوں پر انحصار، کامیابی حاصل کر لینے کے مترادف ہے اور وہ ہیں بھروسہ اور حوصلہ، اپنی ذات پر بھروسہ، اللہ کے بنائے ہوئے فطری قوانین پر بھروسہ، پھر اپنی قسمت پر بھروسہ اور پھر حوصلہ......! ہر طرح کا بھروسہ ہی وہ قوت ہے جو ہمیں متزلزل نہیں ہونے دیتا۔ حوصلہ، کسی بھی بڑے کام کے لئے ہر وقت آمادہ کئے رکھتا ہے۔ کیونکہ کامیاب وہ ہے جو ناکامی کے بعد کامیاب ہوا۔ بھروسہ اور حوصلہ کی بنیاد جرأت عمل ہے۔

جرأت عمل ہی مسلسل عمل پر آمادہ رکھتی ہے۔ اسی باعث انسان میں اعتماد اور یقین جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں۔ یہ جرأت عمل ہی ہے کہ اگر کہیں انسان کو زندگی میں حوصلہ شکنی کے خلاف لڑنا پڑ جائے تو وہ ثابت قدمی سے ڈٹا رہتا ہے۔ یہی اس کی عظیم فتح ہوتی ہے۔ کیونکہ مایوسی صرف فرد ہی کو نہیں قوموں تک کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ جہاں اعتماد اور یقین جیسی دولت میسر آ جائے۔ وہاں نہ صرف روحانی طور پر خوشی حاصل کرتا ہے بلکہ اپنے معاشرتی اقدار کے ہر شعبے میں ترقی کر جاتا ہے۔

جب تک انسان عمل نہیں کرتا، اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ جرأت عمل اسے اپنی ذات کی بھول بھلیوں سے نکال کر میدان عمل میں لے آتی ہے۔ جو اللہ خالق و مالک نے کائنات کی صورت میں انسان کے سامنے رکھ دی ہے۔ یہ کائنات اسرار سے بھری ہوئی ہے اور اللہ ذوالجلال نے یہ سارے اسرار انسانی فائدے کے لئے بنائے ہیں۔ زمین پر رینگتی چیونٹی، مٹی کا ذرہ، چمکتا ہوا سورج، ہوا میں اڑتے پرندے، سرسبز درخت، بہتا ہوا پانی، یہ سب کیا ہیں؟ ان اشیاء کے اپنے ذاتی

اسرار......! کیا ان میں انسانوں کے لئے کوئی پیغام ہیں؟ کیا ہمیں ان پر غور وفکر کرنا چاہیے۔انسان کی اپنی ذات اور پھر خالق کائنات......!محض ایک جرأت عمل کے نتیجے میں انسان قدرت کے رازوں کا امین بن جاتا ہے۔کائنات کا رمز آشنا ہو جاتا ہے۔
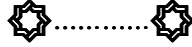
مقام استاد

مقام استاد......! رہنمائی سے متعین ہوتا ہے جو بلاشبہ استاد کی مرہون منت ہے۔ رہنمائی ایک ایسا عمل ہے جو اگر کسی شخص کو نصیب ہو جائے تو وہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوتا ہے۔ رہنمائی ہمیں منزل کے تعین کے بارے آ گاہ کرتی ہے۔ ہم کون ہیں؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہماری رسائی کہاں تک ہے اور ہم اس دنیا میں کیوں موجود ہیں؟ اس سب باتوں کا پتہ ہمیں رہنمائی سے ملتا ہے۔

ہر انسان اپنے اندر بے پناہ صلاحتیں رکھتا ہے لیکن وہ اس بات سے لاعلم ہوتا ہے کہ اس کے اندر کیا کیا اور کیسی کیسی صلاحتیں پوشیدہ ہیں۔ سب سے پہلے وہ اپنے ارد گرد کے ماحول کو سمجھتا ہے۔ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں سے شناسائی حاصل کرتا ہے۔ اسے کھانا پینا آ جاتا ہے، کپڑے پہننے کا ڈھنگ سیکھ جاتا ہے۔ وہ چلتا پھرتا، دوڑتا، ہنستا اور کھیلتا ہے۔ یہ سب کیسے سیکھ جاتا ہے؟ یہاں اس کی رہنمائی کرنے والی اس کی ماں ہوتی ہے۔ اسی لئے تو بچے کی پہلی درس گاہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ وہ وہیں سے بولنا شروع کرتا ہے۔ لاشعوری طور پر لفظوں سے آشنائی حاصل کرتا ہے۔ اسے رہنمائی میسر ہوتی ہے تو بچہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ دنیا میں داخل ہو جائے جہاں اس کے لئے ہزاروں ہنگامے منتظر ہوتے ہیں۔

وہ حروف سے آشنا ہوتا ہے، لفظ پڑھنا سیکھتا ہے، اسے لکھنا آتا ہے، وہ لفظوں کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے۔ اسے احساس ہوتا ہے کہ لفظوں سے تعلق کتنا اہم ہے۔ وہ اپنے گھر کی چار دیواری سے نکلتا ہے اور سکول کے دوستوں میں آ جاتا ہے۔ وہاں وہ مختلف رویوں اور جذبات سے آشنا ہوتا ہے۔ لفظ کے تعلق سے لے کر، لفظوں کے ذریعے اپنے جذبات، امیدیں، خواہشیں اور خواب بیان کرنے تک، اس کی رہنمائی استاد کرتا ہے۔ اپنے ماحول کے ساتھ کس طرح جینا ہے۔ کس طرح اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا ہے۔ اور اپنی ذات ہی سے دوسرے کے لئے کس قدر فائدہ مند ہوا جا سکتا ہے۔ یہی باتیں استاد کی رہنمائی میں ملتی ہیں۔

اپنی ذات میں کارآمد بن جانے کا احساس ہی اسے اپنی ذات سے ملنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ کسی

لئے پیدا ہوا؟ جس طرح کا وہ ہے، دوسرے اس طرح کے کیوں نہیں ہیں؟ چہرہ ایک جیسا کیوں نہیں ہے؟ جبکہ وہی دو آنکھیں، ناک، ہونٹ، کان وہی سب کچھ، وہ بھی بولتا ہے اور دوسرے بھی لفظ کہتے ہیں۔ مگر وہ خود الگ سا کیوں ہے؟ اس میں کیا خاص انفرادیت ہے؟ وہ خود کو دوسروں کے ساتھ ایک جیسا ہونے کے باوجود الگ سا کیوں محسوس کرتا ہے؟ وہ اپنی ذات کی بھل بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ وہ خود کو بھی دیکھتا ہے اور دوسروں کو بھی۔ اسے کچھ باتیں بہت اچھی لگتی ہیں اور کچھ بہت بری۔ کسی پر ہنستا ہے تو کسی پر غصہ کر جاتا ہے۔ کوئی بات اسے اداس کر جاتی ہے اور کوئی بات اس کے لئے خوشی کا باعث بن جاتی ہے۔ خوشی غمی، پیار محبت، نفرت اس کے اندر ابھرتے ہیں۔ ڈھیروں سوال اس کے سامنے معمہ بن جاتے ہیں۔ تب پھر یہ رہنمائی ہی ہے جو اسے ساری الجھنوں سے نجات دلاتی ہے۔

تصور کریں، لق ودق صحرا ہے اور کوئی شخص اس میں بھٹک گیا ہے۔ برف پوش پہاڑوں میں کوئی راستہ گم کر بیٹھا ہے۔ گھنے جنگل میں کسی کو جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ اندھیرے میں سیدھی سڑک کا سراغ نہیں ملتا...... ایسے میں کیا ہوگا؟ صحرا سے وہی باہر نکل پائے گا، پہاڑ کی چوٹی پر وہی پہنچے گا، جنگل میں راستہ اسے ہی ملے گا یا اندھیرے میں سڑک اسے میسر آئے گی جسے رہنمائی نصیب ہو جائے گی۔ ورنہ رہنمائی کے بغیر کیا ہوگا؟

اس وقت دنیا میں چھوٹی سے چھوٹی مشین سے لیکر بڑی سے بڑی مشین تک، کاغذ کی کشتی سے لیکر بحری جہازوں تک، انگلی پر گنتی گننے سے لے کر کمپیوٹر چلانے تک، ٹرائی سائیکل چلانے سے خلانوردی تک سب کیسے ممکن ہوا؟ کسی سوچ کو حقیقت کا روپ دینے تک آخر ہوا کیا؟ یہ فقط رہنمائی کا کرشمہ ہے۔ جو اسے استاد ہی سے میسر آتی ہے۔

کسی بچے کے منہ میں پہلا لفظ ڈالنے ہی سے ایک خاص طرح کی رہنمائی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ یہ تربیت کی پہلی اینٹ ہوتی ہے جسے بڑی احتیاط سے رکھنا پڑتا ہے۔ اور پھر ساری عمر یہ محل تعمیر ہوتا رہتا ہے۔ ذرا سی سمجھ بوجھ رکھنے والا جانتا ہے کہ پہلی اینٹ کو سیدھا رکھنا کسی قدر ضروری اور لازمی ہوتا ہے۔

رہنمائی ایک روشنی ہے۔ جس میں انسان اپنی منزل کا تعین بڑی آسانی سے کر لیتا ہے ورنہ اندھیرے تو واضح منزلوں کو بھی چھپا لیتے ہیں۔ یہ روشنی چاہے دن کے اجالے کی ہو یا تعلیم وتربیت کی، جس میں انسان اپنی ذات میں اپنی کھوج لگاتا ہے۔ وہ کیوں ہے اور کیسے ہے؟ وہ ان تعلیمات کی طرف جاتا ہے۔ جہاں اسے اپنی پہچان کے علاوہ روحانی آسودگی میسر آتی ہے۔ وہ اس سچی کتاب کی طرف رسائی کرتا ہے جہاں سے اسے یہ خوش خبری ملتی ہے کہ اللہ نے انسان کو

بہترین صورت میں پیدا کیا۔ اگر رہنمائی کی بنیاد یہیں سے لے لی جائے کہ اللہ کون ہے اور انسان کی بہترین صورت کیا ہے تو اس کا تعلق اس پوری کائنات سے جڑ جاتا ہے۔

اپنے آپ کو پہچان لینا اور کائنات سے تعلق جوڑتا استاد کے وسیلے ہی سے ممکن ہے۔ علم کی طلب میں جتنی لگن اور خلوص ہوگا۔ مقام استاد اس قدر ہی واضح ہوتا چلا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں مقام استاد خود طالب علم متعین کرتا ہے۔ طالب علم کی نگاہ میں جس قدر استاد کی قدر و منزلت ہوگی، اسی قدر اس کی اپنی تخلیقی قوتوں میں اضافہ ہوگا۔
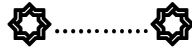
احساس صلاحیت

افراد سے مل کر معاشرہ بنتا ہے۔ایک فرد اکائی ہے جبکہ معاشرہ اجتماعی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر معاشرے کا اپنا ایک میکانکی ماحول ہوتا ہے جس کے تابع ہر فرد اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرتا ہے۔معاشرے کے اجتماعی بہاؤ میں ایک فرد اپنی فطری جبلت کے ماتحت پوری طرح مطمئن نہیں ہو پاتا۔ کیونکہ معاشرے کے ہر فرد کی نفسیات مختلف ہوتی ہے۔ایک فرد کو جب معاشرتی بہاؤ اور میکانکی ماحول میں اطمینان میسر نہیں آتا اور وہ بے چینی محسوس کرتا ہے۔تب وہ اپنی ذات کے دائرے میں آن موجود ہوتا ہے جہاں وہ اپنے تخیل کی دنیا آباد کر لیتا ہے۔یہی وہ دنیا ہے جہاں موجود تصورات و خیالات اسے تخلیقی صلاحیت سے نوازتے ہیں۔یہی صلاحیت اسے ابلاغ واظہار پر مجبور کرتی ہے جو اگر نکھری سنوری ہوئی ہو تو فن کا درجہ پا جاتی ہے اور ایسا فرد فنکار کہلاتا ہے۔

غار کے زمانے سے لے کر آج کے جدید دور تک، تحریر کی بدولت ہی عرفان وانکشاف کے تجربے نسل در نسل منتقل ہوتے آئے ہیں۔سائنسی تکنیک سے لے کر انسانی جذبات واحساسات کو بیان کرنے والا فنکار معاشرے کا یہی ایک فرد ہوتا ہے۔لیکن اس کی پرواز فکر زندگی کو بہت قریب سے اور باریک بینی سے دیکھتی ہے۔اس کی رسائی ان حقائق تک ہوتی ہے جس پر کوئی دوسرا عام آدمی رسائی نہیں رکھتا۔اسے وجدان کہتے ہیں۔

کسی بھی قسم کی تخلیق کاری میں احساس صلاحیت کا ہونا اشد ضروری ہے۔ جب کوئی فرد اپنے اندر موجود فطری صلاحیت کو تلاش کر کے اسے ٹٹولے گا نہیں تو اسے اپنے اندر چھپے ہوئے خزانے کا احساس کیسے ہوگا؟ لکھاری کے تصور کے ساتھ ہی یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ لکھاری کوئی ماورا قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

کیا ایسا ہی ہے؟

ذرا ٹھہریئے......! آگے بڑھنے سے قبل ہم آپ سے چند سوال کریں گے۔

☆ کیا کبھی کوئی اچھی سی، دلچسپ اور معیاری تحریر پڑھتے ہوئے آپ کا دل مچل اٹھا ہے کہ میں بھی کوئی ایسی ہی

خوبصورت تحریر لکھوں؟

☆ کیا آپ پر اچانک الہام کی صورت یہ انکشاف ہوا کہ میرے لئے ایسی تحریر لکھنا مشکل نہیں، جیسی تحریریں میں اکثر پڑھتا رہتا ہوں؟

☆ کیا کبھی ایسی سوچ پیدا ہوئی کہ جو خیال کسی لکھاری نے پیش کیا ہے، یہ تو پہلے ہی سے میرے ذہن میں تھا؟

☆ کیا کبھی شدت سے یہ خیال آیا کہ جو محسوسات و تجربات لکھاری نے پیش کئے ہیں۔ اس سے کہیں بہتر، انوکھے اور منفرد احساس اور تجربے میرے پاس ہیں؟

☆ کیا کبھی ایسا ہوا کہ فضا میں تیرتا ہوا کوئی لفظ یا جملہ ذہن سے چپک گیا ہو اور اس نے سوچوں کی دنیا میں ہلچل پیدا کی دی ہو؟

☆ کوئی حادثہ، واقعہ یا پھر انوکھا تجربہ آپ کے احساسات کی دنیا کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیتا ہے اور آپ کو مجبور کرتا ہے کہ میں اسے لفظوں کا روپ دے دوں یا دوسروں تک پہنچا دوں؟

☆ آپ کے پاس ایسی معلومات ہیں جو عام آدمی نہیں جانتا، آپ ایسی معلومات کو اپنے معاشرے کے ساتھ شیئر کرنا چاہتے ہیں؟

اگر ان سوالوں میں سے ایک یا چند سوالوں کے جواب ''ہاں'' میں ہیں تو پھر آپ جان لیں کہ آپ میں بھی لکھنے کی صلاحیت پوری طرح موجود ہے اور آپ کوئی بھی تحریر لکھ سکتے ہیں۔ یہ بات پورے وثوق سے اس لئے کہی جا رہی ہے کہ فن تحریر کی صلاحیت ہر انسان میں موجود ہے۔ اللہ رب العزت نے یہ صلاحیت ہر انسان کو ودیعت کی ہے تا کہ وہ اظہار و ابلاغ جیسی بنیادی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

ہوسکتا ہے ان انکشاف کے بعد کہ آپ بھی لکھ سکتے ہیں۔ آپ کا ذہن یہ تاویلیں دینے لگے کہ میں لکھ نہیں سکتا، مجھے لکھنا نہیں آتا، میں کیسے لکھ سکتا ہوں، آپ کی تاویلیں قابل قبول اس لئے نہیں کہ آپ اپنے اندر موجود صلاحیت سے انکار نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ صلاحیت کا ہونا ایک الگ بات ہے اور لکھنے کا ڈھنگ یا طریقہ آنا ایک الگ بات۔ آپ کے اندر لکھنے کی صلاحیت تو موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لکھنے کا طریقہ یا ڈھنگ سیکھا جائے۔ ایسا عمل دراصل خدا داد صلاحیت کو نکھارنا ہوتا ہے اور صلاحیت اسی وقت نکھرتی ہے جب ارادہ مضبوط ہو۔ پھر مشق یا ریاضت نہ صرف اسے پختہ کار

بناتی ہے بلکہ تحریر کو مزید نکھارتی بھی ہے جو وقت کے ساتھ فن کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ دراصل احساس صلاحیت ہی وہ دروازہ ہے جو فن کی دنیا میں پہنچا کر عام فرد کو فن کار بنا دیتا ہے۔

معاشرے کے ایک عام فرد کو جب اپنی تخلیقی صلاحیت کا احساس ہوتا ہے تو اس کے اندر موجود وجدانی کیفیات اسے اظہار و ابلاغ پر مجبور کر دیتی ہیں۔ وہ اسے الفاظ کا روپ دے کر کاغذ پر منتقل کرتا ہے۔ شاعری، افسانہ، مضامین، ناول، تحقیقی مقالہ جات وغیرہ وجود میں آتے ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے لفظوں سے لے کر فن پارے تک کا سفر چاہیے جتنا طویل ہو یا مختصر، اس کی بنیاد میں احساس صلاحیت ہی ہے جو اس سفر میں پہلے قدم کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ بھی لکھاری ہیں جو انسانی جذبات واحساسات کو پیش کر رہے ہیں، وہ بھی جو اپنی تحریروں میں کائناتی رمز بیان کر رہے ہیں، فلسفیانہ گتھیاں سلجھا رہے ہیں اور وہ طالب علم بھی لکھاری ہے جو اپنے خیالات و جذبات کاغذ پر تحریری صورت میں لا رہا ہے۔ یعنی جو احساس صلاحیت کے ساتھ تحریریں لکھ رہا ہے، وہ لکھاری ہے۔
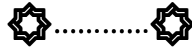
جذبہ تخلیق

اللہ رب العزت ہی سب سے بڑا تخلیق کار ہے۔اسی ذات نے انسان سمیت پوری کائنات کوتخلیق کیا۔اسی نے انسان کوبہترین صورت پر پیدا کیا۔فرمان رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوا ہے۔

ہر انسان میں انفرادی طور پر بے پناہ صلاحتیں موجود ہیں، جو خالق کائنات نے انسان کو دولیعت کی ہیں۔ وہ تمام جواہر اور صلاحتیں جو ہمیں اجتماعی طور پر انسانی کوششوں میں دکھائی دیتی ہیں۔ یوں ہر انسان کی انفرادی صلاحیت سے، اجتماعی کوشش سے اس دنیا میں رنگا رنگی ہے۔انسانی حواس خمسہ اس کے اندر کی صلاحتیں ہی تو ہیں، جن سے وہ سن، بول دیکھ، چکھ اور محسوس کر سکتا ہے۔ یہ عمومی طور پر ہر انسان میں موجود ہوتے ہیں۔ جبکہ انسان کے اندر حیرت انگیز جو ہر بھی موجود ہیں۔جن کا اظہار ہمارے مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ یہاں یہ سوال ابھر سکتا ہے کہ اگر انسان میں ان گنت صلاحتیں اور جواہر ہیں تو پھر وہ ساری کی ساری ظاہر کیوں نہیں ہوتی۔ان کی دو اہم وجوہات ہیں۔

1۔ انسان کا ماحول اپنے اندر بے پناہ اور بے شمار قوتیں رکھتا ہے۔یہی ماحول وہ سب سے بڑا عنصر ہے جو انسانی جواہر اور صلاحیتوں کو نکھرنے یا پنپنے نہیں دیتا۔ چند کو ابھار دیتا ہے جو اس کے موافق ہوتے ہیں اور جو موافق نہیں ہوتے انہیں دبا دیتا ہے۔

2۔ اگرچہ انسان کے اندر اپنی صلاحیتوں سے آگاہی حاصل کرنے کا فطری جذبہ موجود ہوتا ہے، تاہم وہ خود کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ جب تک وہ اپنے اندر سے رابطہ نہیں کرتا، اپنے اندر کی صلاحیت سے لگن نہیں ہوتی، صلاحیت اپنا اظہار نہیں کرتی۔ پھر جس صلاحیت سے جتنی لگن کے ساتھ رابطہ کرتا ہے وہ اتنی ہی قوت سے نکھر کر سنور کر اجاگر ہو جاتی ہے۔

انسان فطری طور پر تخلیق کار ہے۔ ماحول کی اثر پذیری قبول کر کے انسان ماحول کا تابع ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات، پوشیدہ قوتوں اور خصوصی طور پر اپنے ضمیر کی رہنمائی سے دور ہو جاتا ہے۔ مگر انسان ماحول کے مطابق ردعمل ظاہر کرنے والی

مشین نہیں ہے۔ وہ جب بھی اپنے آپ سے رابطہ کرتا ہے، تبھی اس کی قوت ارادی متحرک ہو جاتی ہے۔ یوں وہ اپنے ارادے کے تحت اپنی صلاحیتوں کو بیدار کر لیتا ہے۔ اگر چہ اپنے آپ سے رابطہ ہی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ تاہم تخلیقی جوہر کو تلاش کر کے پروان کیسے چڑھایا جائے؟ اس ضمن میں چند باتیں درج ذیل ہیں۔

اپنی وجدانی کیفیات کا احترام کریں

جذبات واحساسات کے اظہار کی خواہش سے جو کیفیات آپ کے من میں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ وجدانی کیفیات ہیں۔ ان کا احترام کریں۔ احترام یوں ممکن ہے کہ آپ ان مختلف کیفیات کو سمجھیں اور ان پر پوری توجہ دیں۔ ان کی شدت کا اندازہ لگائیں۔ آپ کا ضمیر بھی آپ سے ہم کلام ہوگا۔ اس کی آواز بڑے غور سے سننا ہوگی۔ کیونکہ وہی ہمارا پر خلوص رفیق ہے۔ کبھی کبھی عقل کو ایک طرف رکھ کر صرف دل سے بھی سوچیں۔ آپ کے پاس تصورات کی ایک وسیع دنیا ہے۔ اس دنیا میں پہنچ جائیں کیونکہ تصور ہی ہمیں انجانی دنیاؤں سے متعارف کرواتا ہے۔

اپنے آپ میں ہمت پیدا کریں

مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا؟ یہ بڑا ظالم فقرہ ہے۔ یہ محض ایک فقرہ ہی نہیں بلکہ آپ کی صلاحیتوں، تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس فقرے کو اپنی زندگی سے خارج کر دیں کیونکہ اس کی بنیادیں بزدلی اور کم ہمتی ہے۔ وہ لوگ جو تخلیقی صلاحیتوں جیسی نعمت کو پانا چاہتے ہیں، اپنا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ لفظ اور کاغذ سے ناطہ جوڑنا چاہتے ہیں۔ انہیں بہر حال بہادر ہونا پڑے گا۔ یہ اس لئے کہ اظہار ہمت والے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

اپنے معمول سے ہٹ کر کچھ کریں

ایک ہی جیسا، لگا بندھا معمول جب مشینی انداز اختیار کر لیتا ہے تو انسانی زندگی بے کیف، بدمزہ اور سپاٹ ہو جاتی ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ دماغ بے حس اور بے زار ہو جاتا ہے۔ تخلیقی صلاحیتوں کی بیداری کے لئے اپنے معمول سے ہٹ کر کچھ نہ کچھ کرتے رہیں۔ چاہے بچگانہ انداز ہی سے سہی وہ کام کریں جس میں آپ کو ذراسی بھی مہارت نہیں۔ آپ تصویریں، خاکے بنا کر رنگ بھریں۔ یونہی سیر سپاٹے کے لئے باہر نکل جائیں، کوئی نئی قسم کی ڈش تیار کر لیں۔ بچوں کے ساتھ مل کر کوئی کھیل کھیلیں۔ یعنی معمول کی زندگی کو نظر انداز کر کے خوشگواریت حاصل کریں۔

اپنے آپ کو ''نئے پن'' کے لئے تیار رکھیں

تبدیلی فطری عمل ہے۔انسانی زندگی میں بے شمار تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔جن سے نہ صرف خود بلکہ دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ اچانک آپ پر نئے نئے خیال وارد ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔کوئی نیا تجربہ، نیا انکشاف نئی بات یا پھر کوئی نئی سوچ، کتابوں یا تصویروں کی دکان میں پھرتے ہوئے، کسی سفر کے دوران آپ کے اندر کسی نئے پن کا احساس ابھرتا ہے۔تو بس اس نئے پن کو پکڑ لیں۔اسے سنبھال کر رکھیں کیونکہ یہی نیا پن آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کی تلاش میں نئی راہیں متعین کرے گا۔

نئے کام کے لئے رسک لیں

آپ اپنی انفرادیت کا اظہار کیسے کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کسی ایسے انجانے خول میں بند تو نہیں جو آپ کو ''خطرات'' کی طرف جانے سے روکتا ہے؟ آپ اپنے روزمرہ کے کاموں میں کس قدر پر خیال اور بامقصد کاموں کو ترجیح دیتے ہیں؟ ان سوالوں پر سوچ و بچار کرنے کے ساتھ ایسی چھوٹی چھوٹی مہمات کو سر کرنے کی کوشش کریں۔ جو بامقصد، دلچسپ اور مزیدار قسم کی ہوں۔تخلیق کاری کے لئے کسی مخصوص قسم کی ذہانت یا صلاحیت کا ہونا ضروری نہیں ہے مگر یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ تخلیق کاری کے لئے کس قدر غیر یقینی صورت حال کے لئے تیار رہتے ہیں۔ کیونکہ غیر یقینی پن ہی تخلیق کا جوہر ہے۔ آپ کس قدر رسک لے کر تحریری دنیا میں آتے ہیں۔ یہ بھی آپ پر ہی انحصار کرتا ہے۔

اپنے آپ کو تخلیق کار سمجھیں

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسان بے شمار و بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے۔فطرت نے اسے تخلیق کاری ودیعیت کی ہے۔اس کا واضح ثبوت غار کی انسانی زندگی سے لے کر جدید دنیا تک کا سفر ہے۔آپ خود کو تخلیق کار سمجھیں گے تو ہی آپ پر تخلیقی انکشافات ہوں گے اور آپ تخلیقی تجربات سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔تحریر لکھنے کی خواہش ہی آپ کے اندر چھپے لکھاری کی نشاندہی کر دیتی ہے۔اس نشاندہی کا مطلب یہی ہے کہ آپ اپنی توجہ وجدان یا الہام کے ہونے کا باعث بنے گی۔تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ جو وقت تخلیقی سرگرمیوں میں صرف ہوتا ہے۔ضائع نہیں جاتا۔

فطرت سے ملیں

فطرت کیا ہے؟ یہ کیسے وجود میں آئی؟ اس کا رابطہ انسانی زندگی سے کتنا ہے؟ انسان اور اس کے رویے، جذبات، امیدیں، خواہشیں، قدرتی مناظر، چاند تاروں کی روشنی، سورج کی تب وتاب، درخت، پھل، پھول، خوشبو...... یہ سب فطرت کے دل نشین مظہر ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ روزانہ صبح کا ظہور اور شام کی آمد نئے انداز سے ہوتی ہے؟ کھلے کھیتوں میں ہوا محسوس کرنا۔ کسی اجنبی سے کھل کر عام سی باتیں کرنا، معصوم بچوں کے ساتھ وقت گزرانا۔ انہیں محسوس کرنا کیسا لگتا ہے؟ یہ اور ایسے کئی فطرت سے ملاقات کے تجربے نہ صرف آپ کی تخلیقی صلاحیتوں میں ہیجان برپا کردیں گے بلکہ آپ کی تسکین کا باعث بھی بنیں گے۔

تخلیق کاروں سے ملاقات کریں

ادیب، شاعر، ڈرامہ نگار، موسیقی کار یہ سب تخلیق کار ہیں۔ آپ ان سے ملاقات کریں۔ ان کی گفتگو سنیں اور تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر آپ ان سے بہ نفس نفیس ملاقات نہیں کر پاتے۔ تب بھی پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ آپ ان کی تخلیقی فن پاروں سے لطف اندوز ہوں۔ آپ ان کی تحریریں، تصاویر اور موسیقی پڑھیں، سمجھیں اور ان پر غور کریں۔ ان تخلیق کاروں کے خیالات سے استفادہ کریں۔ یہ بھی ان سے ملاقات کا بہترین ذریعہ ہے۔

خود سے ملتے رہیں

کبھی کبھار خود سے ملاقات کرتے رہا کریں۔ الگ تھلگ ہو کر تنہائی تلاش کریں اور اس میں خود سے سوال کریں۔ میں یہ کام کیوں کر رہا ہوں؟ گزشتہ دنوں کے کسی عمل پر ناقدانہ نظر ڈالیں۔ خوشگوار اور ناخوشگواریت کو الگ الگ کر کے دیکھیں اپنی کہی گئی باتوں کے ردعمل کا جائزہ لیں۔ جن چیزں سے آپ کو خوشی محسوس ہوتی اسے اپنی یادوں میں تازہ کریں۔ اپنی خوبیوں اور خامیوں پر بھرپور نگاہ ڈالیں۔ اپنے رویے کو جانچیں۔ اپنے مقاصد کو ذہن میں لا کر دیکھیں کہ آپ اپنی منزل سے کس قدر اور کتنے فاصلے پر ہیں۔ آئندہ آنے والی زندگی میں خوبصورتی اور خوبصورت تبدیلیوں کے بارے میں سوچیں یہ سب نہ صرف آپ کو تسکین دے گی بلکہ نت نئے خیال اور تصورت بھی لے کر آئے گی۔

ہمیشہ خوش گماں رہیں

خوش گمانی، انسانی رویے میں خوشگواریت کے رنگ بھر دیتی ہے، جبکہ بدگمانی، انسانی مزاج کو خشک بنا دیتی ہے۔

خشک مزاج انسان کو ہر کام بے فائدہ اور بے وقت دکھائی دیتا ہے اور یہ انسانی صلاحیتوں کے سرسبز درخت پر خزاں طاری کر دیتی ہے۔ خشک مزاجی آپ کے اندر سے زندگی کا سارا رس چوس لیتی ہے۔ جبکہ تخلیق کاری نئی روح پھونکتی ہے۔ خوش گمانی اور تخلیق کاری انسانی شخصیت میں اعتماد کی قوت بھر دیتی ہے۔ اس لئے ایک تخلیق کار کو ہمیشہ خوش گمان رہنا چاہیے۔

تحریری مراقبہ کرتے رہیں

تحریری مراقبہ کیا ہے؟ پرسکون ہو کر بیٹھ جانے کے بعد جو جی میں آئے لکھتے چلے جانا تحریری مراقبہ کہلاتا ہے۔ دن میں ایک بار جب بھی آپ کو وقت ملے، تحریری مراقبے کا معمول بنا لیں۔ ایک لفظ سے لے کر کم از کم تین فل اسکیپ کاغذ تک کی مشق کریں۔ بلا سوچے سمجھے اپنی سوچ کو لفظوں میں ڈھال لیں اور کاغذ پر ثبت کر دیں۔ لکھنے کے بعد آپ اسے سکون سے پڑھیں۔ آپ پر انکشافات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ آپ من میں چھپے خیالات، خواہشیں خواب، امیدیں، خوف اور خوشیاں ان لکھے ہوئے الفاظ میں سے جھانکیں گی۔ یہی وہ روزن سے جہاں سے آپ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بڑے اچھے انداز سے دیکھ سکتے ہیں۔

پرسکون ہو کر شروعات کریں

کسی بھی کام کے لئے عمومی طور پر اور تخلیق کاری کے لئے خصوصی طور پر خود کو پرسکون کریں۔ منتشر اور بے سکون ذہن میں خیالات بھی انتشار زدہ ہوتے ہیں۔ جبکہ پرسکون ذہن میں خیالات نہ صرف منظّم اور خوبصورت ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے تخلیق کاری کے شروعات میں آپ کے اندر کا خوف کئی صورتوں میں سامنے آئے مثلاً میں یہ کام نہیں کر سکتا مجھ میں صلاحیت نہیں ہے، میں ذہنی طور پر کمزور ہوں۔ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان سارے اعتراضات کا بھرپور جائزہ لیں۔ اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو انہیں اپنے من سے حرف غلط کی طرح مٹا دیں۔ اور پرسکون ہو کر تخلیق کاری کی شروعات کریں۔

اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو گا۔
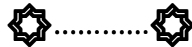
تحریر نگاری

کسی بھی نو آموز لکھاری کے لئے یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ ایسے کون سے مراحل ہیں جن سے گزر کر وہ ایک اچھی تحریر لکھ سکتا ہے۔لکھنا، چونکہ ایک فن ہے اور کسی بھی فن کے لئے فنی لوازمات درکار ہوتے ہیں۔ مندرجہ ذیل میں تحریر نگاری کے لئے چند تجاویز، تکنیکی ضروریات اور عملی اقدامات کا خاکہ تین مدارج میں پیش خدمت ہے۔

1۔ قبل از تحریر

2۔ دوران تحریر

3۔ بعد از تحریر
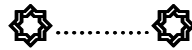
قبل از تحریر

ذہنی طور پر تیاری

کوئی بھی تحریر لکھنے سے پہلے ذہنی طور پر تیار ہونا ہی دراصل بہترین تحریر کی ضمانت ہے۔ اگر ذہن منتشر ہوگا، خیالات مبہم اور سوچ میں شکوک وشبہات ہوں گے تو ایسی ذہنی حالت کی جھلک تحریر میں در آئے گی۔ چونکہ لکھاری کی تحریر اس کی ذہنی حالت کی عکاس ہوتی ہے۔ اس لئے قبل از تحریر تمام تر انتشار، ابہام اور شکوک وشبہات کو ختم کر کے ''یقین'' کی پختگی حاصل کر لی جائے۔ تا کہ تحریر موثر، مدلل اور واضح ہو۔ ابتدائی طور پر لکھاری کے سامنے چند باتیں ہوتی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ لکھاری کے لئے تحریر لکھنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ وہ کس لئے تحریر لکھنا چاہتا ہے؟ دراصل یہی سوال اس کے یقین اور اعتماد کی بنیاد ہے۔ لکھنے کی کئی ساری وجوہات ہوسکتی ہیں۔ لکھاری کے من میں جذبات، خیالات اور احساسات کا ہجوم در آیا۔ جس کے باعث وہ گھٹن محسوس کرنے لگا ہے۔ تب وہ چاہتا ہے کہ ان جذبات، خیالات اور احساسات کی ترسیل کر کے اپنے من کا بوجھ ہلکا کر لے۔ لکھاری میں تحقیق کرنے کی صلاحیت ہے۔ اس کے سامنے نئے خیالات اور نکات ابھرتے ہیں۔ نئی طرح کی معلومات کا انکشاف ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ان خیالات اور نکات کو تحریر کے ذریعے دوسروں تک پہنچائے۔ لکھاری معاشرے کا ذمہ دار فرد ہونے کے ناطے اپنی تحریروں کے ذریعے اصلاحی خواہش اور تمنا رکھتا ہے۔ وہ مسائل کے حل بارے تجاویز اور مشورے دینا چاہتا ہے۔ کوئی ایسا موقع پیدا ہو گیا جہاں اسے اپنے موقف کی وضاحت تحریری صورت میں پیش کرنا ہے۔ سکول یا کالج کے طلبہ و طالبات کو ان کے اساتذہ کرام کی طرف سے ہوم ورک یا اضافی اسائنمنٹ ملی ہو۔ لکھاری تحریر کے ذریعے شہرت کا خواہاں ہے یا محض اپنے شوق کی خاطر تسکین حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یعنی تحریر لکھنے کی بنیاد میں کوئی نہ کوئی وجہ یا محرک کارفرما ہوگا۔ لکھاری کو سب سے پہلے اپنا من ٹٹول کر وجہ تلاش کر لینی

چاہیے تا کہ پھر پورے یقین، عزم اور اعتماد کے ساتھ تحریر نگاری کرے۔

کوئی بھی تحریر لکھنے سے قبل لکھاری کو اپنے من میں کسی طرح کا کوئی خوف یا جھجک نہیں رکھنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے اس کے ذہن میں اپنی تحریر سے متعلق شکوک وشبہات جنم لے لیں کہ پتہ نہیں میں اچھی تحریر لکھ بھی سکوں گا یا نہیں؟ اس طرح لکھاری کو ایک دوسری قسم کا خوف یہ بھی لاحق ہوسکتا ہے کہ تحریر پڑھنے کے بعد قارئین کا رویہ کس طرح کا ہوگا۔ وہ تحریر کو پسند بھی کریں گے یا پھر یکسر مسترد کر دیں گے یا پھر بہت ساری خامیاں نکل آئیں گی۔ یہ ابہام، خوف یا جھجک دیمک کی مانند ہوتے ہی جو لکھاری کی صلاحیتوں کو اندر ہی اندر سے چاٹ جاتے ہیں اور لکھاری میں اپنے ہی خیالات کی بدولت اتنی سکت نہیں رہتی کہ وہ قلم اٹھا سکے۔ لکھاری کو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ پرعزم اور پر اعتماد ہونا چاہیے۔ اگر اس کے پاس بہترین معلومات اور خوبصورت خیالات ہیں تو انہیں لفظوں کا روپ دے دے اور ہمیشہ یاد رکھے کہ لکھنے کا فن ریاضت سے نکھرتا ہے۔ لکھاری جتنا لکھے گا، تحریر نگاری کا فن اتنا ہی اس کی دسترس میں آئے گا۔

لکھاری کی معلومات، تصورات اور خیالات ہی دراصل اس کی قوت ہوتے ہیں۔ اسی بنیاد پر وہ اپنی تحریر موثر، مدلل اور پختہ بنا سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لکھاری کے اپنے خیالات، تصورات اور معلومات ہی اسے ذہنی طور پر منتشر کر کے رکھ دیں۔ اسے یہ سمجھ ہی نہ آ رہی ہو کہ کون سی معلومات، تصورات یا خیالات کس انداز سے پیش کئے جانے چاہئیں۔؟ کون سی بات لکھی جائے اور کون سی چھوڑ دی جائے؟ کس کو پہلے اور کسے آخر میں جگہ دی جائے؟ اگرچہ تحریر کی خوبصورتی اور اس کی ابلاغی اہمیت کے لئے ان امور کا خیال رکھا جاتا ہے اور رکھنا بھی چاہیے مگر تحریر لکھنے سے قبل اس انتشار کو یکسر نظر انداز کر دیں۔ جب تحریر لفظوں کا روپ دھارے گی تو اس وقت اس پر نظر ثانی کر کے اسے خوب سے خوب تر بنا لیا جائے۔ کیونکہ اس وقت معلومات، تصورات اور خیالات مجسم صورت میں کاغذ پر موجود ہوتے ہیں۔

مقاصد کا تعین

تحریر لکھنے کے لئے جو محرک یا وجہ ہوتی ہے، اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ بنا مقصد کے لکھی گئی تحریر اس جسم کی مانند ہوتی ہے جس میں روح نہ ہو۔ اس لئے تحریر لکھنے سے پہلے مقاصد کا تعین کر لینا چاہیے۔ اس سے نہ صرف تحریر جاندار بن جاتی ہے بلکہ لکھاری کے خیالات وافکار پورے تاثر کے ساتھ قارئین تک رسائی پاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل میں چند سوال دیئے جا رہے ہیں جن کے باعث لکھاری اپنے مقاصد کے تعین میں مدد لے سکتا ہے۔

- ☆ آپ کس مقصد کے لئے لکھنا چاہتے ہیں؟
- ☆ آپ جس مقصد کے لئے لکھنا چاہ رہے ہیں وہ زندگی کے کسی پہلو سے تعلق رکھتا ہے؟
- ☆ جن لوگوں کے لئے آپ تحریر لکھ رہے ہیں وہ کس طرح کے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں اور زندگی کے بارے میں ان کا نکتہ نظر یا نصب العین کیا ہے؟
- ☆ جن افراد یا معاشرہ کے لئے آپ تحریر لکھنے جا رہے ہیں، ان کی ذہنی استعداد کیا ہے؟
- ☆ کیا آپ کی تحریر ان کی ضرورت ہو سکتی ہے؟
- ☆ کیا آپ کی تحریر سے یا تحریر میں موجود مقصد سے انہیں کوئی فائدہ حاصل ہوگا؟
- ☆ آپ جس مقصد کے لئے لکھ رہے ہیں وہ قابل عمل یا قابل حصول ہے؟
- ☆ آپ جس مقصد کا بھی تعین کر چکے ہیں، کیا وہ واضح ہے اور دوسرے اسے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں؟

ان سولات کی مدد سے ایک نو آموز لکھاری تحریر کے لئے مقاصد کا تعین کر سکتا ہے۔

موضوع تحریر کا انتخاب

اگرچہ نو آموز لکھاری کے لئے سب سے مشکل مرحلہ موضوع کی تلاش اور پھر اس کا انتخاب ہوتا ہے لیکن یہ جس قدر مشکل معلوم ہوتا ہے، اسی قدر آسان بھی ہے۔ لکھاری اگر اپنے اندر کی تحریک اور مقاصد کا تعین کر لیتا ہے تو اس کے لئے موضوع کا انتخاب مشکل نہیں رہ جاتا۔ لکھاری اگر پھر بھی کوئی دشواری محسوس کرتا ہے تو مندرجہ ذیل طریقے سے سوچ و بچار کرنے سے بے شمار موضوع اس کے سامنے ہوں گے، جن پر وہ طبع آزمائی کر سکتا ہے۔

زندگی کے ان گنت پہلو ہیں۔ ان میں بعض پہلو ایسے ہوتے ہیں جن سے ایک فرد بے حد لگاؤ رکھتا ہے اور بعض ایسے جن سے تھوڑی دلچسپی اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو پسندیدگی کے زمرے ہی میں نہیں آتے۔ فرض کریں یہ ہمارے سامنے زندگی کے چند پہلو ہیں۔

- ☆ سائنسی تحقیقات
- ☆ تاریخ
- ☆ کھیل

☆ معیشت

☆ نفسیات

☆ ثقافت

☆ آٹوموبائل

☆ خانہ داری

☆ ذرائع ابلاغ

☆ فیشن

☆ پراسرار علوم

☆ روحانیت

جیسے ہی ہم زندگی کے ان پہلوؤں پر غور کریں گے تو ہمیں ان میں سے کوئی ایک پہلو سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ پھر اس پسندیدہ پہلو پر مزید غور کریں گے تو کئی سارے سوال ہمارے سامنے آ جائیں گے مثال کے طور پر سائنسی تحقیقات سب سے زیادہ پسندیدہ پہلو ہے۔ اس پر سوچیں گے تو مندرجہ ذیل سوال ممکن حد تک ہمارے سامنے آ جائیں گے۔

☆ اب تک کتنی قسم کی سائنسی تحقیقات ہو چکی ہیں؟

☆ ان تحقیقات نے انسانی زندگی کو کسی حد تک متاثر کیا؟

☆ انسانی زندگی کے لئے اس کی ضرورت واہمیت کس قدر ہے؟

☆ ان تحقیقات سے انسان کو کس طرح کی سہولیات ملیں؟

☆ جدید دور میں کن موضوعات پر تحقیق ہو رہی ہے؟

☆ یہ تحقیقات کسی نوعیت کی ہیں؟

☆ سائنسی تحقیقات کا طریقہ کار کیا ہے؟

☆ اس کی وسعت کس قدر ہے؟

☆ اس پر آنے والے اخراجات کی مد کتنی ہے؟

وغیرہ وغیرہ۔ایسے سوال ہیں کہ پھیلتے چلے جائیں گے۔یہی سوال دراصل موضوع کے اصل خدوخال ہیں۔ بلکہ موضوع ہی ہیں۔

کسی بھی لکھاری کے لئے موضوع کی تلاش سب سے اہم مسئلہ ہوتا ہے۔

کیونکہ موضوع ہی وہ بنیاد ہے جس پر تحریر کی عمارت اٹھائی جاتی ہے اور پھر اسی عمارت کی تزئین وآرائش ہوتی ہے۔ ایک دوسری طرح سے موضوع کی تلاش میں مدد مل سکتی ہے کہ لکھاری زندگی کے کسی پہلو کو منتخب کرنے سے قبل اپنے آپ سے یہ سوال کرے۔

☆ میرے پاس ایسی کون سی معلومات، ہیں جو مجھے دوسروں کو بتانی چاہیے؟

☆ لوگ کس موضوع میں دلچسپی لیتے ہیں؟

☆ میرے سامنے کوئی ایسا واقعہ یا حادثہ ہوا جس نے مجھے بے حد متاثر کیا، آخراس واقعے میں ایسا کیا تھا جس نے مجھے متاثر کیا اور وہ دوسروں کو متاثر کرسکتا ہے؟

☆ کیا مجھے محض معلومات ہی لوگوں تک پہنچانی ہے یا کوئی خاص تخیل، سوچ یا تصور کا اظہار بھی کرنا ہے؟

☆ مجھے کوئی با مقصد تحریر لکھنا ہے یا محض تفریح طبع کر لئے؟

☆ ان چند سوالوں کے جواب میں زندگی کا کوئی نہ کوئی پہلو سامنے آجائے گا اور اسی سے ہی ایک اچھا موضوع دستیاب ہوجائے گا۔مندرجہ ذیل میں موضوع کی تلاش میں چند اشارے دیئے جا رہے ہیں۔جن سے کوئی بھی نو آموز لکھاری استفادہ کرسکتا ہے۔

☆ قومی اور بین الاقوامی خبریں۔

☆ ادبی، سیاسی، ثقافتی اور سماجی تقریبات

☆ سفر وسیاحت

☆ اہم شخصیات یا قومی سطح کے سیاسی رہنما

☆ جرائم اور معاشرتی برائیاں

☆ حادثات وتصادم

- ☆ دنیا کے مختلف حصوں میں جنگیں
- ☆ قومی مسائل، اور حل وتجاویز
- ☆ غربت، مہنگائی، بے روزگاری
- ☆ عوامی مسائل
- ☆ ملکی بجٹ
- ☆ ایجادات، دریافتیں اور اہم انکشافات
- ☆ خلائی تحقیق
- ☆ علاقائی امن وامان کے لئے کوششیں
- ☆ اسلحہ کی دوڑ
- ☆ مشرق ومغرب کے درمیان کشمکش
- ☆ دنیا کے مختلف خطوں میں علاقائی مسائل اور بحران
- ☆ دہشت گردی
- ☆ تخریب کاری
- ☆ عالمی سیاست برائے اقتصادی غلبہ
- ☆ بین الاقوامی اور علاقائی معاہدے
- ☆ دنیا کی عالمی تنظیمیں اور ان کی کارکردگی
- ☆ مختلف ممالک کے وفودی تبادلے اور ان کے اثرات
- ☆ سفارتی تعلقات
- ☆ خارجہ پالیسی کے خدوخال
- ☆ علاقائی بالادستی کے رحجانات
- ☆ نسل پرست نوآبادیت

- ☆ زلزلے،طوفان اور وبائیں
- ☆ مہم جوئی
- ☆ موسم
- ☆ فوجی انقلابات
- ☆ خانہ جنگی
- ☆ جاسوس ادارے اوران کی سرگرمیاں
- ☆ تیسری عالمی جنگ کے ممکنہ خطرات
- ☆ اقوام متحدہ

اس تناظر میں ایسے بے شمار موضوعات ہیں جن میں طبع آزمائی کی جاسکتی ہے۔آپ انہیں، علاقائی،قومی اور عالمی سطح میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔

نوعیت تحریر کا فیصلہ

اگرچہ عمومی طور پر تحریر کی نوعیت کو کئی مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔تاہم سہولت کے لئے ہم اسے چند حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

لکھاری کے اپنے خیالات کی ترسیل

لکھاری کے اپنے خیالات، جذبات اوراحساسات وغیرہ جواس کے ذہن میں آتے ہیں۔اپنے لفظوں میں اپنے ہی انداز میں لکھتا ہے۔ایسی تحریروں میں داستان، ناول، کہانی،ڈرامہ،انشائیہ اور صحافتی کالم وغیرہ ہوتے ہیں۔

مختلف ذرائع مواد سے تحقیق

کسی بھی موضوعات کو دلائل کی مدد سے تائید یا تردید کو مصدقہ حوالہ جات کے ذریعے ثابت کرنے کو’’مختلف ذرائع مواد سے تحقیق‘‘ کہا جائے گا۔ایسی تحریروں میں مضامین،تنقید وتحقیق اور مقالہ جات وغیرہ قلم بند کئے جاتے ہیں مثال کے طور پر کسی ایک موضوع پر کتابوں، رسالوں، اخباروں، ویڈیو آڈیو ٹیپ وغیرہ سے مواد لے لی جائے اور پھر اس کو اپنے

موضوع کے مطابق ترتیب دے دیا جائے۔

مشاہدہ کی روداد

بعض اوقات لکھاری کسی واقعہ یا حادثہ وغیرہ کا خود چشم دید ہوتا ہے۔ یا پھر کہیں سفر کرتا ہے یا کسی شخصیت سے متاثر ہوتا ہے۔ وہ اپنے اندر لکھنے کی تحریک پاتا ہے۔ اس لکھنے کی تحریک میں زور تخیل شامل کر کے جو مشاہدہ احاطہ تحریر میں لایا جاتا ہے۔ وہ تحریر مشاہدہ کی روداد کے ضمن میں آئے گی۔ ایسی تحریروں میں آپ بیتی، خاکہ نگاری، سوانح نگاری، رپورتاژ، سفر نامہ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔

ترجمہ

کسی ایک زبان میں لکھی گئی تحریر کو دوسری زبان میں منتقل کر کے تحریر کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں۔

نو آموز لکھاری موضوع کے انتخاب کے بعد نوعیت تحریر کا فیصلہ یوں کر سکتا ہے کہ جو موضوع سے مطابقت رکھتا ہو۔

صنف تحریر کا فیصلہ

بنیادی طور پر اصناف تحریر کی دو اقسام ہیں۔ پہلا نظم اور دوسرا نثر، دونوں اقسام اپنی الگ الگ صنف تحریر رکھتی ہیں۔ ان کے بیان سے پہلے دونوں میں فرق کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

نظم اور نثر میں فرق

انسان حیوان ناطق ہے وہ اپنے خیالات و جذبات کا اظہار لفظوں کے ذریعے، بول کے یا لکھ کر کرتا ہے۔ تا کہ دوسرے اس کا مفہوم پوری طرح سے سمجھ لیں۔ الفاظ کے ذریعے اظہار کی دو صورتیں ہیں۔ ایسا اظہار جس میں الفاظ کی ترتیب میں کوئی توازن، ہم آہنگی یا ردھم موجود ہو نظم کہلاتا ہے اور دوسرا الفاظ کی ایسی ترتیب جس میں توازن، ہم آہنگی یا ردھم جیسا وصف نہ پایا جائے نثر کہلاتا ہے۔

اصناف نظم

اصناف نظم کو دو اہم حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

موضوع کے لحاظ سے:۔جن میں حمد،نعت،منقبت،قصیدہ،غزل،مرثیہ،مزاح،گیت یا ہجووغیرہ اور دوسرا ہیت کے لحاظ سے:۔ ہیت،مسمط،مثلث،مربع،رباعی،قطعہ،مخمس،مسدس،ترکیب،بند،ترجیع بند،نظم اور آزاد نظم وغیرہ۔

یہ سبھی اصناف نظم آپس میں اس قدر مربوط ہیں کہ موضوع اور ہیت کا فرق الجھ سا جاتا ہے۔کوئی صنف موضوع کے اعتبار سے گردانی جاتی ہے اور کوئی محض ہیت کے لحاظ سے۔ مثال کے طور پر ''حمد'' اس نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ تبارک تعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہو۔اگر اسے غزل،آزاد نظم یا مسدس میں بیان کردیا گیا ہوتو موضوع کے اعتبار سے وہ ''حمد'' ہی رہے گی۔لیکن ہیت میں غزل،آزاد نظم یا مسدس ہی ہوگی۔

اصناف نثر

اصناف نثر کو بھی دو اہم حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ادبی اصناف نثر:۔جس میں داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ، انشائیہ،مضمون، مقالہ، خاکہ،سوانح نگاری، آپ بیتی اور تنقید وتحقیق وغیرہ شامل ہیں۔دوسری صحافتی اصناف نثر،جس میں خبر،اداریہ،کالم ،فیچر،ترجمہ اور تلخیص وغیرہ ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا اصناف نظم ونثر اپنی ساخت، ہیت اور قسم کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ ہر صنف اپنی مخصوص تکنیک رکھتی ہے۔لکھاری جس صنف تحریر میں لکھنا چاہتا ہے،اس کے بارے میں اسے علم ہو کہ اس صنف کی ساخت، ہیت اور تکنیک کیا ہے۔کون سی صنف اس کے مقصد اور موضوع سے فطری میلان رکھتی ہے۔کس صنف میں وہ اپنی معلومات کو بہترین انداز میں پیش کرسکتا ہے۔تاکہ لکھاری کے جذبات،احساسات اور معلومات کی ترسیل جامع ،مدلل اور موثر انداز میں ہو۔

اصناف تحریر کی ساخت، ہیت اور تکنیک سے متعلق محترم اساتذہ کرام نے اپنی مختلف کتب میں ہر صنف کے بارے میں تفصیل سے بیان کردیا ہوا ہے۔لکھاری ان کتب سے استفادہ کرکے اپنی پسندیدہ صنف میں مہارت پیدا کرسکتے ہیں۔

انداز بیان

تحریر میں دلچسپی، تاثر، چاشنی، اور کشش لکھاری کے اپنے انداز بیان کے باعث ہی پیدا ہوتی ہے۔جیسے ایک ہی منظر یا واقعہ اگر چند افراد جان کرتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک شخص کے بیان پر دوسرے نہ صرف زیادہ توجہ دیں گے بلکہ اسے دلچسپی سے سنیں گے۔اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ اس مخصوص شخص کا انداز بیان دوسروں سے اچھا،منفرد، دلچسپ اور متاثر کن ہوگا۔ ورنہ سب کے پاس معلومات ایک جیسی ہیں۔ انداز بیان مخصوص اور منفرد صلاحیت ہے جو فقط

لکھاری کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے تاہم انداز بیان کو دو طرح سے دیکھا جاسکتا ہے۔

☆ لکھاری جب تحریر کے لئے مقاصد، موضوع اور صنف تحریر کا انتخاب کر لیتا ہے تو لاشعوری طور پر تحریر کے فطری رجحان کے مطابق المیہ، طربیہ، بیانیہ، ڈرامائی، افسانوی، مدلل وغیرہ کا انداز بیان طے ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر واقعہ کربلا بیان کیا جانا ہے تو اس کا مزاج درد انگیز اور غم ناک ہوگا۔

☆ انداز بیان کو دوسرے لفظوں میں انداز پیش کش بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ لکھاری کا اپنا فطری رجحان ہوتا ہے۔ وہ المیہ، طربیہ یا کسی بھی انداز میں بڑے موثر اور جاندار طریقے سے متاثر کن تحریر لکھ کر اپنا موقف بیان کرسکتا ہے۔

یہاں لکھاری کی اپنی قوت فیصلہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد، موضوع اور صنف تحریر یا اپنے فطری رجحان کے باعث کس طرح کا انداز بیان اپناتا ہے۔ وہ کن معلومات کو کیسے پیش کرتا ہے تاکہ دوسرے اس میں دلچسپی اور کشش محسوس کریں۔ کسی بھی معمولی سی بات کو بہت اہم یا پرانے موضوع کو نئے پن کے ساتھ پیش کردے۔ یہ انداز یوں ہو کہ لکھاری جو کچھ کہنا چاہتا ہے دوسرے اسے پورے تاثر کے ساتھ سمجھ لیں۔ جناب سیف الدین سیفؔ کا اس ضمن میں بڑا مشہور شعر ہے کہ

سیفؔ انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

معلومات مواد کے ذرائع

کسی بھی تحریر کے لئے جو معلومات یا مواد درکار ہوتا ہے بنیادی طور پر اس کے لئے تین ذرائع ہیں۔ ۱۔ مکالمہ، ۲۔ مطالعہ اور ۳۔ مشاہدہ۔

1۔ مکالمہ

مکالمہ سے مراد بات چیت یا گفتگو ہے۔ لکھاری ان لوگوں سے بات کرے جن سے لکھاری کے منتخب کردہ موضوع سے متعلق معلومات دستیاب ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور ایک لکھاری کا موضوع ہے ''اسکول جانے والے طلبہ وطالبات کے مسائل'' اس موضوع کے مواد کے لئے فطری طور پر لکھاری ان طلبہ وطالبات سے گفتگو کرے گا جن سے متعلق اس کا موضوع ہے۔ یعنی وہ طلبہ وطالبات جو اسکول جاتے ہیں وہ کن مسائل سے دوچار ہیں۔ کیا ان کے مسائل ایک جیسے ہیں؟ کس طرح کے ماحول میں کس طالب علم کو کیسا مسئلہ درپیش ہے؟ وغیرہ یہاں لکھاری کو معلوم ہوگا کہ ان مسائل کی نوعیت کیا ہے۔ یہ

کیوں پیدا ہو رہے ہیں؟ ان میں سے کتنے مسائل خصوصی اور کس قدر عمومی نوعیت کے ہیں۔ان مسائل سے طلبہ وطالبات کی تعلیم اور صحت کس حد تک متاثر ہو رہی ہے۔وغیرہ وغیرہ۔لکھاری اسی حوالے سے انہی مسائل کو لے کر طلبہ وطالبات کے والدین سے گفتگو کرے گا۔ وہاں سے اسے ایک دوسرے زاویے سے معلومات ملیں گی۔ اسی طرح اساتذہ بھی طلبہ و طالبات سے متعلق ہوتے ہیں، وہ نئے رخ سے گفتگو کریں گے۔ان سے بات چیت مفید ثابت ہوگی کہ وہ بہتر انداز سے معلومات دے سکیں گے۔لکھاری کا مقصد طلبہ وطالبات کے مسائل کے حل تلاش کرنا ہے تو اس پہلو پر بھی وہ طلبہ وطالبات، والدین اور اساتذہ سے گفتگو کرے گا۔ پھر یہیں سے ایک پہلو اور بھی سامنے آتا ہے کہ مسائل کی نوعیت کے لحاظ سے کوئی اور طبقہ بھی تعلق رکھتا ہے تو اس سے بھی بات کر لی جائے۔ان سب لوگوں سے گفتگو کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لکھاری کے پاس تحریر لکھنے کے لئے اتنی معلومات آجائیں گی کہ وہ بہتر انداز میں لکھ سکتا ہے۔

2۔ مطالعہ

مطالعہ سے مراد ایسا مواد پڑھنا جہاں سے لکھاری اپنے موضوع سے متعلق معلومات حاصل کر سکے۔لکھاری اپنے مطالعے کے لئے کتابیں، اخبارات، انٹرنیٹ یا غیر شائع شدہ مواد پڑھتا ہے اور پھر وہاں سے اخذ کی گئی باتوں کو اپنے انداز سے احاطہ تحریر میں لاتا ہے۔مثال کے طور پر لکھاری کے پاس موضوع ہے۔''حضرت اقبالؒ کا مرد مومن'' تب لکھاری لازمی طور پر حضرت اقبالؒ کی کتب سے ان اشعار کو پڑھے گا جن میں مرد مومن کا ذکر ہے۔ پھر ان کتب، رسائل اخبارات وغیرہ سے استفادہ کرے گا۔ جو حضرت اقبالؒ کے مرد مومن کے بارے میں مزید معلومات دے سکیں۔ان کے افکار کی وضاحت ہو سکے اور ان کے فلسفہ کی تشریح ہو۔لکھاری ایسے سارے مواد کو اکٹھا کر کے انہیں ترتیب دے گا۔جس سے تحریر لکھنے کے لئے معلومات دستیاب ہو جائیں گی۔

3۔ مشاہدہ

مشاہدہ سے مراد اپنے ماحول اور حالات کا جائزہ، جہاں نت نئی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔ پھر ان تبدیلیوں کے باعث جو نتائج سامنے آرہے ہیں۔اس سے زندگی کس قدر متاثر ہو رہی ہے۔ایک لکھاری کے لئے ماحول اور حالات کے بارے میں شعور حاصل کرنا، اس کی قوت تخیل میں ہلچل پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے تصورات کے نئے نئے سوتے پھوٹتے ہیں۔مثال کے طور پر لکھاری کا موضوع ہے''صحرائی باشندوں کا رہن سہن'' اس کے لئے لکھاری صحرائی زندگی اور

وہاں کے باشندوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ان کے احساسات وجذبات کو محسوس کرے گا۔ان کے مسائل کو دیکھے گا تو ہی اس کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔مشاہدہ جس قدر گہرائی اور دلچسپی سے کیا جائے گا۔اتنی زیادہ معلومات دستیاب ہوں گی۔یاد رہے کہ عملی مشاہدہ (یعنی از خود دیکھنا) بہترین تحریر کی ضمانت ہوتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ مواد تحریر کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ اپنایا جائے یا فقط ایک ذریعہ پر انحصار کیا جائے۔ایک جاندار،موثر،دلچسپ،معلومات خیز اور پرکشش تحریر کے لئے دو یا تین ذرائع کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔بلکہ کیا جانا چاہیے۔ اب یہ لکھاری پر منحصر ہے کہ وہ ان تینوں سے کس ذریعہ کو زیادہ یا کم استعمال کرتا ہے۔مقصد صرف یہ ہے کہ لکھاری زیادہ سے زیادہ منفرد اور دلچسپ معلومات اکٹھی کر سکے اور تحریر سے دوسرے مستفید ہو سکیں۔

ترتیب مواد

لکھاری کے پاس تحریر کے لئے جو بھی دستیاب مواد ہے۔اسے اسی طرح ترتیب دیا جائے کہ ایک خاکے کی صورت میں واضح ہو کر سامنے آجائے۔اگرچہ لکھاری کے ذہن میں فطری طور پر ایک مبہم سا خاکہ پہلے ہی ترتیب پا جاتا ہے تاہم اگر اسے کاغذ پر نکات کے ساتھ اشاریہ کے طور پر لکھ لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔مبہم خاکہ وجودی طور پر مجسم ہو جائے تو وضاحت ہو جاتی ہے۔مقصد سے متعلق نکات کو رکھ لیا جائے اور بے مقصد مواد کو چھانٹ لیا جائے اور اس کے علاوہ کوئی اہم نکتہ ضائع نہ ہونے پائے۔

ہوسکتا ہے وہ خاکہ لکھاری کے لئے چوں چوں کا مربہ بن جائے اور وہ منتشر ہو کر رہ جائے کہ کون سا نکتہ رکھوں اور کسے چھوڑ دوں۔اس صورت حال میں گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جہاں قوت فیصلہ کے ذریعے اپنی وجدانی کیفیات کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔اہم ترین اور غیر اہم نکات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔یوں ایک عمدہ اور موثر تحریر کے لئے بہترین نکات میسر آتے ہیں۔کیونکہ یہی خاکہ پوری تحریر کے پھیلاؤ کی بنیاد بنتا ہے۔بسا اوقات اسی پر اکتفا نہیں رہتا بلکہ جب لکھاری تحریر لکھتا ہے تو مزید خیالات آتے چلے جاتے ہیں۔بقول غالب......!

''آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں''

دستیاب مواد کی ترتیب سے لکھاری یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ اسے سب سے پہلے کس نکتہ پر لکھنا ہے اس کے بعد کون سی بات زیر بحث آئے گی۔یوں تحریر کے آخیر تک یہ سلسلہ دراز ہوتا ہے۔دستیاب مواد کی درست ترتیب ہی دراصل تحریر کی

حیثیت کو اہم بناتی ہے اور معلومات میں ایک طرح سے جو انتشار والی کیفیت ہوتی ہے وہ اسی مرحلہ پر ختم ہو جاتی ہے۔ یوں ضبط تحریر میں آنے والا مواد حسن ترتیب کے ساتھ نکھر کر لکھاری کے سامنے آ جاتا ہے۔
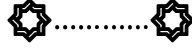
دوران تحریر

کسی بھی لکھاری کو دوران تحریر ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

انداز نشست

لکھاری عام طور پر لکھنے کی میز استعمال کرتے ہیں یا پھر وہ فرشی نشست جماتے ہیں۔ایسی بہت کم مثالیں کہ جس میں لکھاری لیٹ کر یا کرسی پر اکڑوں ہو کر لکھتا ہے۔ بہر حال انداز نشست کوئی سا بھی ہو مگر ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں سہولت اور پر سکون کیفیت ہو۔ایسا انداز نشست نہیں ہونا چاہیے جس سے جلدی تھکن ہو جائے اور لکھاری بے چینی محسوس کرنے لگے۔

پر سکون نشست کے لئے مناسب روشنی کا انتظام انتہائی ضروری ہے۔زیادہ تیز یا مدہم روشنی میں لکھاری کی آنکھیں جلد تھک جائیں گی۔اگر لکھاری دائیں ہاتھ سے لکھتا ہے تو روشنی کا منبع بائیں جانب ہونا چاہیے تاکہ قلم کا سایہ صفحے پر نہ پڑے۔

پر سکون نشست کے لئے پر سکون ماحول لازمی حیثیت رکھتا ہے۔لکھنے کی نشست وہاں جمائی جائے جہاں ماحول کا شور لکھاری کی توجہ وارتکاز میں انتشار پیدا نہ ہو۔عمومی طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ رات کا وقت زیادہ پر سکون ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت ماحول قدرتی طور پر پر سکون ہوتا ہے۔بعض لکھاری سہ پہر اور بعض وقت سحر پسند کرتے ہیں۔بہترین وقت کے بارے میں یا کسی مخصوص وقت کے بارے میں بہت ساری دلیلیں دی جاسکتی ہیں۔لیکن میرے نزدیک سب سے اچھا وقت وہ ہوتا

ہے جس میں لکھاری لکھنا پسند کرے اور یہ لکھاری کی اپنی طبیعت پر منحصر ہے کہ وہ کب لکھنا پسند کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ لکھاری ماحول کا محتاج ہو کر نہ رہ جائے۔ اسے شروع ہی سے عادت ڈال لینی چاہیے کہ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے نشست جما کر لکھ سکے۔ دوران تحریر اگر انداز نشست پرسکون اور سہل ہے تو لکھاری تحریر پر پوری توجہ دے سکے گا۔

ابتداء کیسے کروں

ابتداء کیسے کروں؟ نو آموز لکھاری کے لئے عموماً یہ سوال بڑا پریشان کن ہوتا ہے اور بلاشبہ ایسا ہوتا بھی ہے۔ کیونکہ کسی بھی تحریر کا ابتدائیہ اور ابتدائیے میں پہلا فقرہ دراصل قاری کی توجہ کا فیصلہ کرتا ہے کہ وہ تحریر پڑھے یا نہ پڑھے۔ قاری اپنے ذوق سے ہی مخلص ہوتا ہے۔ قاری کے لئے اس کا اپنا ذوق مقدم ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد ہی وہ کسی لکھاری سے متاثر ہوتا ہے۔ قارئین میں ایک ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو لکھاری کا نام نہیں دیکھتے لیکن انہیں تحریر سے غرض ہوتی ہے۔ ابتدائیہ یا ابتدائیے کا پہلا فقرہ جس قدر دلچسپ، پرکشش اور جاندار ہوگا وہ قاری کی اتنی ہی توجہ کا مستحق قرار پائے گا۔

لکھاری اگر لکھنے سے پہلے مواد کی ترتیب صحیح طرح سے کر لیتا ہے تو پھر یہ سوال اتنا پریشان کن نہیں رہتا۔ مواد کی ترتیب ہی سے لکھاری یہ طے کر لیتا ہے کہ اسے کیا کہنا ہے اور اس کے بعد کیا بات آئے گی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ لکھاری کے پاس بہت دلچسپ اور معیاری مواد ہو۔ لیکن اگر وہ شروع میں قارئین کی توجہ حاصل نہیں پایا تو وہ تحریر ضائع ہو جانے کے مترادف ہوتی ہے۔

دلچسپ، پرکشش اور جاندار ابتدائیے کے لئے لکھاری کو یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کے پاس لکھنے کے لئے سب سے دلچسپ، پرکشش اور انوکھا پہلو کون سا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ لکھاری یہ صلاحیت کیسے حاصل کر پائے گا۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اسے کتابوں کی مدد سے سمجھا جا سکے۔ کیونکہ یہ ایک وجدانی کیفیت ہے۔ تاہم یہ اتنا پریشانی والا معاملہ نہیں ہے کیونکہ اس مرحلے تک لکھاری میں وجدانی کیفیات کے خدوخال نکھرنے شروع ہو جاتے ہیں جو لکھنے کی مشق کے ساتھ سنورتے جاتے ہیں۔

مضامین یا اس سے مشابہت رکھنے والی تحریروں میں ابتدائیہ کے لئے فیصلہ کرنا قدرے آسان ہوتا ہے۔ لیکن ناول، کہانی یا افسانہ وغیرہ جیسی تخلیق تحریروں میں قدرے مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ انہی تحریروں میں ابتدائیے پوری تحریر کی جان ہوتے ہیں۔ مگر بات وہی ہے کہ لکھاری ابتدائیے میں انوکھا پن دے تو یہ مشکل نہیں رہتی۔ ایسے ابتدائیے کو سمجھنے کے لئے

نامور ادباء اور افسانہ نگاروں کے افسانے، ناول، کہانیاں وغیرہ کے ابتدائیے پڑھنے کے بعد سمجھ آ جاتی ہے۔انوکھے پن کا احساس ہو جاتا ہے۔

دوران تحریر سب سے اہم مرحلہ ابتدائیہ ہوتا ہے جس پر لکھاری کو اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے تاکہ تحریر جاذب نظر بن جائے۔

مزاج بنا کر لکھیں

ہمیشہ مزاج بنا کر لکھیں۔مزاج بنانے سے مراد کسی بھی طرح کے ذہنی بوجھ سے مبرا ہو کر لکھنا۔لکھاری جب بھی کوئی ذہنی بوجھ لے کر لکھنے بیٹھے گا، لازمی طور پر اس کا عکس تحریر میں در آئے گا۔ذہنی بوجھ کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے۔لکھاری حد درجہ جذباتی ہو، غصے کی کیفیت میں ہو، ذہنی انتشار کا شکار ہو، کوئی مایوسی یا خوف لاحق ہو۔ایسی کیفیت میں نہ لکھیں بلکہ جب بھی لکھاری کا مزاج بن جائے، تب لکھے۔کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ جب بھی کوئی کام مجبوری، بوجھ یا دباؤ کے ساتھ کیا جائے، اس میں عمدگی یا دلکشی نہیں ہوتی، بس اسے نمٹایا جاتا ہے۔

تحریر لکھاری کے خیالات کا وہ لفظی روپ ہے جو ایک خاص وجدانی کیفیت سے وجود میں آتا ہے۔خیال کو لفظ کے روپ میں ڈھالنے کے لئے وجدانی کیفیت جس قدر شفاف اور ہر طرح کی آلودگی سے مبرا ہوگی۔تحریر اسی قدر دوام حاصل کرے گی۔کسی بھی لکھاری کی وجدانی کیفیت میں نکھار تبھی آتا ہے جب وہ لکھنے میں لطف اور تسکین محسوس کرے۔

خوشگوار مزاج بنا کر لکھنے سے لکھاری کی وسعت نظر میں اضافہ ہوتا ہے۔لکھاری اپنی تحریر کے لئے تحریری لوازمات سے بہتر انداز میں استفادہ کرتا ہے۔اپنے خیالات کو زیادہ نکھار کر پیش کیا جا سکتا ہے۔یہ انسانی جبلت ہے کہ جب وہ کوئی کام محض اپنی خوشی کے لئے کرتا ہے تو اپنی پوری صلاحیت صرف کر دیتا ہے۔تاکہ زیادہ سے زیادہ تسکین اور لطف حاصل ہو۔

بے جا پابندیوں سے بچیں

لکھاری جب لکھتا ہے تو خیالات دریا میں پانی کے بہاؤ کی طرح بہتے چلے آتے ہیں۔اپنے خیالات کو صفحہ قرطاس پر لفظوں کا روپ دیتے ہوئے، خیالات کے بہاؤ پر بے جا پابندیاں نہ لگائیں۔اس طرح خیالات کے بہاؤ کے سامنے رکاوٹیں کھڑی ہو جائیں گی۔جو بلاشبہ خلل کا باعث بنے گا۔لکھنے کے دوران لکھاری کی وجدانی کیفیت اسے جو عطا کر رہی ہے، اسے قبول کرے اور بس لکھتا چلا جائے۔

اس دوران پختہ خیالات کے ساتھ مبہم اور ادھر کچرے خیالات بھی آئیں گے، اعلیٰ خیالات کے ساتھ معمولی مثالیں بھی سامنے ہوں گے۔ بعض مناسب الفاظ نہیں سوجھیں گے۔ متبادل الفاظ ذہن سے محو ہو جائیں گے۔ فقروں کی بناوٹ سے اطمینان نہیں ہوگا۔ کمزور دلائل سے پریشانی لاحق ہوسکتی ہے۔ ایسے میں لکھاری ان ضمنی معاملات میں کھو کر نہ رہ جائے اور انہی پر سوچ وبچار کر کے خیالات کے بہاؤ کو نظر انداز نہ کردے۔ لکھنے کے دوران ان ضمنی معاملات کو ایک طرف رکھ کر بس تحریر پر توجہ دیں اور لکھتے چلے جائیں۔ کیونکہ یہ سارے کام بعد کے ہیں۔

دوران تحریر لکھاری کو اپنے خیالات پر توجہ دینی چاہیے۔ غائب سے جو مضامین وجدان میں آ رہے ہیں۔ ان سے رابطہ کی مضبوطی ہی دراصل لکھاری کی تخلیقی صلاحیتوں کی پختگی کا باعث بنتا ہے۔ خود کو ''کھلا'' چھوڑ کر لکھنے کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کوئی پرندہ آزاد فضاؤں میں اپنی پوری قوت سے اڑانیں بھرتا ہے۔ آزاد فضاؤں میں اڑان کی لذت صرف وہی پرندہ جانتا ہے جو ان آزاد فضاؤں میں اڑا ہو اور بے جا پابندیاں اس کی اڑان میں رکاوٹ نہ بنی ہوں۔

لکھنے کے دوران ذہن جس سمت میں رہنمائی کرے یا خیالات کے گھوڑے جس طرح بھی سرپٹ دوڑیں، ان کی لگامیں ڈھیلی کردیں۔ عمدہ اور منفرد جملے، سرخیاں، ذیلی سرخیاں، ہائی لائیٹس، وغیرہ پر سوچنے کی زحمت نہ کریں۔ خیالات کا بہاؤ ہی نئے خیالات لاتا ہے۔ یوں بات سے بات نکلتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ سارے خیالات لکھاری کے اندر ہی سے برآمد ہو رہے ہیں جو وہ تحریر کی صورت میں لکھ رہا ہے۔ ان خیالات کی راہ میں رکاوٹ ذہنی قوت کو محدود کر دینے کے مترادف ہوتی ہے۔ ان سے بچیں بے جا پابندیوں سے بچ کر خود کو کھلا چھوڑ کر اگر لکھیں گے تو شعور، لاشعور اور تحت الشعور میں دبی ہوئی وہ باتیں بھی سامنے آجائیں گی جنہیں لکھاری نے کبھی سوچا تھا اور وہ باتیں منتظر تھیں کہ خود کو ظاہر کردیں۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ لفظ ''تحریر'' کا لغوی معنی ''آزاد'' کرنا بھی ہے۔

تحریری لوازم اپنائیں

کسی بھی تحریر سے لکھاری کی علمی وسعت، فنی چابکدستی، مہارت تحریر اور تخیل کی قوت وغیرہ کا اندازہ لگانا ہو تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کسی قدر تحریری لوازم اپنائے ہیں۔

تحریری لوازم سے مراد کسی بھی زبان کے بنیادی اجزاء جنہیں لکھاری اپنے انداز میں استعمال کرتا ہے۔ مثلاً لفظ، گرائمر کے اصول، تشبیہات واستعارات، مخصوص ڈکشن، کسی صنف تحریر کی ہیت اور اس کے مخصوص اجزاء وغیرہ۔ اس کی

مثال یوں ہے کہ ایک لکھاری، ایک ادبی صنف تحریر ''ڈرامہ'' لکھنے کے لئے طبع آزمائی کرنا چاہتا ہے۔ڈرامہ کی ہیت اور تکنیک میں، پلاٹ، کردار، مکالمے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ڈرامہ کے تحریری لوازم ہیں۔لکھاری ڈرامہ کی تکنیک میں مکالمے نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ہوسکتا ہے مکالموں کے بغیر بھی ڈرامہ مکمل ہو جائے لیکن کیا پلاٹ جیسا جز نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ اب یہ الگ بات ہے کہ وہ کس طرح کے پلاٹ پر کسی طرح کی طبع آزمائی کرنا چاہتا ہے، یہ لکھاری کی اپنی مرضی ہے۔

مختصر جملے، الفاظ کی نشست و برخاست اور مخصوص ڈکشن وغیرہ سے تحریر کو مزین کیا جا سکتا ہے۔لیکن تحریری لوازم سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کوئی لکھاری غزل کہنا چاہتا ہے اور وہ درست ہیت اور تکنیک استعمال کرتا ہے یعنی بحر، مطلع، مقطع، ردیف، قافیہ اور وزن وغیرہ میں درست ہے تو وہ غزل تسلیم ہوگی۔اس سے اغماز نہیں برتا جا سکتا کیونکہ غزل کے لئے جو لوازم ہوئے ہیں وہ پورے ہیں۔اب یہ بعد کی بات ہے کہ لکھاری نے اس غزل میں کس طرح کے خیالات کو پیش کیا ہے۔کسی بھی صنف تحریر کی ہیت اور تکنیک کے مطابق اس کے تحریری لوازم کو اپنا لیا جائے تو وہ فنی لحاظ سے درست تسلیم ہوگی۔

عمدہ اختتامیہ

جس طرح تحریر کا جاندار آغاز کسی بھی تحریر کے لئے نہایت اہم ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح عمدہ اختتام بھی تحریر کی جان ہوا کرتا ہے۔اس کی مثال یوں ہے کہ اگر مسافر اپنی منزل سے متعلق جانتا ہے تو وہ منزل تک پہنچنے کے لئے محفوظ، سہل اور آرام دہ راستہ اپنائے گا۔لکھاری اگر جاندار آغاز کے ساتھ عمدہ اختتامیہ بھی اپنے ذہن میں رکھتا ہے تو وہ اپنے نکتہ نظر کی وضاحت نہایت موثر، دلکش اور مہارت سے کر سکے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ ایک نکتہ کی وضاحت کر لیتا ہے تو ہی دوسرے نکتے کی جانب بڑھے گا۔وہ اپنے موضوع کی حدود میں رہتے ہوئے بڑی آسانی کے ساتھ اس انجام تک پہنچ جائے گا۔جس تک وہ پہنچنا چاہتا ہے کسی بھی تحریر کا عمدہ انجام یا اختتامیہ، قاری پر ان گنت اثرات مرتب کرسکتا ہے، کیونکہ یہی تحریر کا نچوڑ ہوتا ہے۔
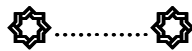
بعد از تحریر

تحریر پر نظر ثانی

تحریر لکھنے کے بعد لکھاری اپنی تحریر کو حتمی یا قطعی خیال مت کرے کیونکہ ابھی اس میں مزید بہتری کی گنجائش موجود ہے۔اس کے لئے تحریر پر نظر ثانی از حد ضروری ہوتا ہے۔نظر ثانی کے تین مدارج ہوتے ہیں۔

1۔ تحریر لکھ لینے کے بعد لکھاری اپنی تحریر تھوڑے دنوں کے لئے محفوظ کر لے۔ پھر ہفتے یا عشرے کے بعد جب اسے دوبارہ دیکھے گا تو لکھاری اپنی تحریر میں کئی ساری تبدیلیاں کرنا چاہے گا۔ مثلاً کچھ دلائل اسے کمزور لگیں گے، جنہیں وہ دوبارہ لکھنا چاہے گا۔نئ معلومات کا اضافہ کرنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ کچھ باتیں غیر ضروری لگیں گی۔ یعنی لکھاری جب تھوڑے سے وقفے کے بعد اپنی تحریر پڑھتا ہے تو اس پر نہ صرف اپنی تحریری خامیاں عیاں ہوتی ہیں بلکہ خوبیاں بھی واضح ہو جاتی ہیں۔جس سے بہتری اور حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ وہ خود حیران رہ جاتا ہے کہ یہ میں ہوں جس نے ایسا لکھ دیا؟ اچھے لکھاری کی یہ خوبی ہے کہ وہ اپنی تحریر کے لئے بہتر سے بہترین کی تگ ودو میں لگا رہتا ہے اور ہر ممکن حد تک نظر ثانی کرتا رہتا ہے۔

2۔ لکھاری اپنی نظر ثانی شدہ تحریر کو صاف، واضح اور خوشخط کر کے دوبارہ لکھنے سے پہلے مندرجہ ذیل باتوں کے لئے اپنا اطمینان کرے۔

☆ کیا میں نے جس صنف تحریر میں لکھا ہے، اس کی تکنیک صحیح طور پر استعمال کی ہے؟

☆ کہیں کوئی لفظ غلط تو نہیں لکھا گیا ہے، یعنی املاء کی غلطی، کوئی زائد لفظ یا فقرہ؟

☆ نکات کی وضاحت میں کہیں اپنے خیالات دوبارہ تو نہیں لکھ دیئے؟

☆ جس زبان میں تحریر لکھی گئی ہے، اس کے فوائد کا خیال رکھا گیا ہے؟

☆ ایسا لفظ جملہ یا اصطلاح تو نہیں لکھ دی جو نامانوس ہو یا قارئین کے لئے ذہنی کوفت کا باعث بنے؟

☆ رموز واوقاف کی جہاں ضرورت تھی وہ موجود ہیں؟

☆ کیا ابھی نئ معلومات، نکات یا وضاحت کی ضرورت ہے؟

☆ جس مقصد کے لئے تحریر لکھی گئی ہے وہ پورا ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے؟

☆ کیا تحریر کا عنوان تجویز کرلیا ہے اور عنوان متن سے مطابقت رکھتا ہے؟

3۔ نظر ثانی کے مرحلے میں جب تحریر دوبارہ لکھ لی جائے تو اسے کسی ایسے فرد کے پاس لے جایا جائے جو تحریر کے بارے میں آگہی رکھنے والا ہو۔ یہ لکھاری کے والدین، اساتذہ، دوست ادیب وشاعروں میں سے ہو سکتے ہیں۔

تحریر دکھاتے ہوئے لکھاری اپنے ذہن میں جہاں حوصلہ افزائی کی خواہش رکھتا ہے۔ وہاں حوصلہ شکنی کی گنجائش بھی رکھے۔ وہ لکھاری کی تحریر میں پیش کردہ خیالات، احساسات اور نظریات سے متفق ہو سکتے ہیں اور مخالفت بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ ''قارئین'' ہیں۔ ابتدائی مرحلے ہی میں اس تحریر کا ردعمل لکھاری کے سامنے آجائے گا۔ ایسے میں لکھاری کو ڈھیر سارے مشورے بھی ملیں گے۔ اسے چاہیے کہ وہ ٹھنڈے دل ودماغ سے ابتدائی ردعمل اور مشوروں پر غور کرے پھر جو فیصلہ بھی ہو اس کے مطابق عمل کرے۔ مطلب یہ ہے کہ یا تو تحریر دوبارہ لکھی جائے گی یا پھر اشاعت کے لئے تیار ہو گی۔

جریدے کا مزاج

تحریر لکھ لینے کے بعد لکھاری یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کی لکھی ہوئی تحریر کہیں نہ کہیں شائع ہو جائے تاکہ لکھاری کے جذبات، خیالات، احساسات اور افکار سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوں۔ جس مقصد کے لئے اس نے تحریر لکھی ہے وہ پورا ہو جائے۔

لکھاری اپنی تحریر، اشاعت کے لئے کہاں بھجوائے؟ یا اس کی تحریر کس جریدے میں شائع ہو؟ اس کا انحصار لکھاری کی لکھی ہوئی تحریر پر ہے کہ وہ کیسی ہے اور اس تحریر کا مزاج کس جریدے کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہے۔

جریدہ سے مراد اخبار، مجلّہ، رسالہ یا ڈائجسٹ ہیں جو لکھاریوں کی تحریر سے سج سنور کر شائع ہوتے ہیں اور مزاج سے

مراد جریدے کی نوعیت، مقصد اور پالیسی جس کے تحت اس کی اپنی منفرد خصوصیت ہوتی ہے۔ ادبی رسالے، میڈیکل جنرل یا سائنس میگزین کے مقصد، نوعیت اور پالیسی میں فرق ہوگا۔ ڈائجسٹ رسالے ایک آدھ مضمون کے علاوہ کہانیاں یا افسانے شائع کرتے ہیں۔ ہر ڈائجسٹ اپنی الگ خصوصیت رکھتا ہے۔ یہی خصوصیت دراصل اس کا مزاج ہے۔ لکھاری کو یہ دیکھنا ہو گا کہ اس نے کیسی تحریر لکھی ہے اور وہ کس جریدے کے مزاج و معیار پر پوری اترتی ہے۔ کیونکہ سائنس میگزین میں سائنسی موضوع، مذہبی رسالوں میں مذہبی تحریریں اور تفریحی ادب شائع کرنے والے تفریحی ادب ہی کی تحریروں سے مزین ہوں گے۔

جریدے کے مزاج و معیار سے مطمئن ہو جانے کے بعد لکھاری اس جریدہ کے ایڈیٹر سے رابطہ کرے۔ بلاشبہ ایک اچھا ایڈیٹر، اچھی تحریروں کی نہ صرف قدر کرتا ہے بلکہ نو آموز لکھاریوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔

حوصلہ رکھیں

تحریر لکھنا بہادر لوگوں کا کام ہے۔ ہوسکتا ہے لکھاری کی تحریر ناقابل اشاعت ٹھہرے۔ تب ایسی صورت حال میں لکھاری دل برداشتہ ہو جائے گا۔ محنت کے ضائع ہونے کا دکھ وہی جانتا ہے جس نے محنت کی ہو۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر واقعی محنت کی گئی ہے تو اس کا ثمر ضرور ملتا ہے۔ صرف تحریر کی اشاعت ہی اس کا ثمر نہیں ہے اگر ذرا سا غور کیا جائے تو بہت سارے ثمرات سامنے آ جائیں گے۔

تحریر کے ناقابل اشاعت ہونے کی کئی ایک وجوہات ہوسکتی ہیں۔

☆ ہوسکتا ہے کہ تحریر جریدے کے مزاج و معیار پر پوری نہ اتری ہو۔

☆ ہوسکتا ہے اس موضوع پر پہلے بھی کوئی تحریر شائع ہو چکی ہو۔

☆ ہوسکتا ہے تحریر میں منطقی و استدلالی طرز نہ ہو۔ جو ایک موثر تحریر کا خاصہ ہوتی ہے۔

☆ ہوسکتا ہے تحریر میں موجود معلومات و افکار پرانے ہوں۔

☆ ہوسکتا ہے تحریر میں تحریری لوازم کی خامیاں ہوں۔

بہت کچھ ممکن ہوسکتا ہے مگر......! کیا ایک تحریر کے ضائع ہو جانے یا اشاعت پذیر نہ ہونے پر لکھاری، لکھنے سے ہاتھ کھینچ لے گا، میرا خیال ہے کہ باہمت اور باحوصلہ لوگ ایسا نہیں کرتے۔ اسی لئے مایوس لوگوں کے لئے حضرت اقبالؒ کا ایک

شعر ہے۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

چیلنج قبول کریں

لکھاری اپنی تحریر کسی بھی جریدے کوارسال کرتا ہے تو اس کے دو نتائج میں سے ایک نتیجہ تو برآمد ہوگا۔یعنی

1۔ وہ تحریر نا قابل اشاعت ٹھہرے گی۔(اس کی وجہ کوئی بھی ہو)

2۔ وہ تحریر شائع ہو جائے گی۔(پھر قارئین اس کے مقام بارے تعین کریں گے)

ان دونوں طرح کی صورت حال میں لکھاری کی کیفیت مختلف طرح کی ہوگی۔وہ دکھ محسوس کرے گا یا پھر ڈھیر ساری خوشی پائے گا۔یہی وہ مرحلہ ہے جہاں لکھاری ایک نئی طرح کی جذباتی کیفیت میں الجھ جاتا ہے۔وہ کیفیت کیا ہے یا اس کے اثرات کیا ہو سکتے ہیں۔اس سے قطع نظر......!لکھاری کر ہر حال میں مستقل مزاج رہنا چاہیے۔ایک دو یا چند تحریروں کے نا قابل اشاعت ہو جانے سے وہ گمان کر لے کہ وہ لکھ نہیں سکتا یا لکھنا موقوف کر دے یا پھر چند تحریروں کی اشاعت کے بعد وہ سمجھنے لگے کہ وہ بڑا لکھاری بن چکا ہے۔

ایک نوآموز لکھاری کو تحمل، برداشت کی صلاحیت، حقیقت پسندی اور عجز وانکساری کی ہمہ وقت ضرورت رہتی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایک اچھا انسان اچھا لکھاری نہ ہو مگر ایک اچھا لکھاری بہر حال ایک اچھا انسان ضرور ہوتا ہے۔

لکھنا ایک مسلسل عمل ہے اور یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔جب بھی کوئی اس گہرے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے،اسے قیمتی اور نایاب موتی ضرور ملتے ہیں۔تاہم غوطہ وہی لگاتے ہیں جو باہمت اور باحوصلہ ہوتے ہیں اور وہی لوگ زندگی کی حقیقتوں کے نت نئے چیلنج قبول کرتے ہیں۔
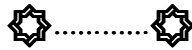
اصناف تحریر

لکھنا ایک فن ہے اور فن کے لئے تکنیک درکار ہوتی ہے۔ تاہم تکنیک اس وقت ہی موثر انداز میں استعمال کی جاسکتی ہے جب ہمارے پاس کوئی ساخت، ہیت یا قسم ہوگی اور ہم اسے تحریر لکھنے کے لئے برت سکیں۔ تحریر کے لئے کئی ساختیں، ہیئتیں اور اقسام دستیاب ہیں۔ جن میں ہم اپنے مقصد اور موضوع کے اعتبار سے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ گویا تحریر کی یہ ساخت، ہیت اور قسم ایک طرح سے ''سانچا'' ہوتا ہے اور یہی ''سانچا'' صنف تحریر کہلاتا ہے۔ جس میں لکھاری خیالات کو پیش کرتا ہے۔

بنیادی طور پر اصناف تحریر کی دو اقسام ہیں۔ نظم اور نثر۔ جن کے درمیان فرق الفاظ کی ترتیب، ہم آہنگی اور لے کے ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح اردو زبان کا آغاز بھی شاعری سے ہوا۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ ابلاغی وسعت اور ضرورت کے تحت نثر کا وجود نکھرتا چلا گیا۔ یوں نظم و نثر اپنے موضوعاتی، مقصدی، ہیتی اور ساختی اعتبار سے الگ الگ مخصوص مقام بناتے چلے گئے۔

مندرجہ ذیل میں اصناف نظم و نثر کا انتہائی اختصار سے تعارف دیا جا رہا ہے۔ تاکہ نوآموز لکھاری اپنی پسندیدہ صنف میں طبع آزمائی کر سکیں۔ ان کی تفاصیل کے لئے اساتذہ اکرام نے بہت ساری کتب تحریر فرمائی ہیں۔ ان سے استفادہ ہی مزید پختگی کا باعث ہوسکتا ہے۔
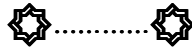
شاعری

شاعری......! اپنے اندر لامحدود ابلاغی وسعت رکھتی ہے۔ یہ نہ صرف لطیف سے لطیف جذبات و احساسات کے اظہار کا نام ہے بلکہ عالم محسوسات سے لے کر حقیقت اور ماورائے حقیقت، مجرد وغیرہ مجرد اشیاء و خیالات کو پیش کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

شاعری، شعر سے ہے اور شعر کی حقیقت ہی دراصل شاعری کے بارے میں ہمیں آگاہ کرتی ہے۔ دیگر تعریفوں کی طرح شعر کی تعریف میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم صاحب ''عروض سیفی'' مولانا سیفی نے شعر کی تعریف یوں کی ہے۔

''لغت میں کسی چیز کے جاننے اور دریافت کرنے کو شعر کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں شعر وہ کلام ہے جو موزوں ہو (یعنی وزن رکھتا ہوں) بامعنی ہو، قافیہ رکھتا ہو اور شاعر نے اسے بالقصد موزوں کیا ہو''

اس تعریف کے رو سے ہمارے سامنے مندرجہ ذیل نکات آتے ہیں۔

1۔ کلام موزوں

یعنی وہ کسی نہ کسی مقرر کردہ اوزان میں سے کسی ایک وزن پر ہو، کیونکہ جس کلام میں وزن نہیں ہے۔ وہ نثر ہے۔ اسے شاعری نہیں کہا جاسکتا۔

2۔ کلام بامعنی ہو

یعنی وہ اپنی ابلاغی اہمیت میں اس قدر واضح ہو کہ سننے والا نہ صرف اسے سمجھ سکے بلکہ اس میں موجود معنی و مطالب سے بھی واقف ہو۔ مہمل و بے معنی کلام کو شعر نہیں کہا جاسکتا۔

3۔ قافیہ رکھتا ہو

یعنی اس کلام میں قافیہ و ردیف موجود ہو۔ جس سے کلام میں حسن و ہم آہنگی کے ساتھ روانی موجود ہو۔ قافیہ، ہم وزن وہم آہنگ الفاظ کو کہتے ہیں جو اشعار میں بدلتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً چلی، اٹھی، گرمی، سبھی، ابھی، کھلی، سجی وغیرہ اور ردیف وہ لفظ جو شعروں میں بار بار آئیں۔ جیسے

دیوانے کو شہر میں لا کر مار دیا
ویرانے کا حسن چرا کر مار دیا
رنگوں کی برسات میں بھیگی زلفوں نے
آنکھوں میں اک خواب سجا کر مار دیا

ان میں لا، چرا، سجا، قافیہ ہیں اور ''کر مار دیا'' ردیف ہیں۔

4۔ کلام بالقصد ہو

یعنی ایسا کلام جسے شاعر نے اپنے ارادے سے موزوں کر کے کہا ہو۔

مندرجہ بالا چاروں نکات شعر کے لوازم ہیں۔ ان چاروں لوازم میں سے ایک لازم اس قدر اہم ہے کہ جس کے نہ ہونے سے شاعری، نثر کی سرحدوں میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس لازم کے ہونے اور نہ ہونے کے باعث ہی شاعری اور نثر میں امتیاز ممکن ہوتا ہے۔ وہ لازم ہے۔ ''وزن'' جبکہ باقی اہم تینوں لوازم علم الکلام اور علم بیان کے ذیل میں آتے ہیں۔

وزن کیا ہے؟

وزن کے لغوی معنی، تول، جانچ......عزت و وقعت...... بوجھ......مقدار و پیمانہ......علم وعروض میں شعر کی بحر اور سنجیدگی و متانت ہیں۔ تاہم شاعری کی اصطلاح میں شاعری کا وہ سریلا پن جسے غنائیت یا آہنگ کہا جاتا ہے۔ وزن کہلاتا ہے۔ جیسے:۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

جو بھی مشکل تھی وہ آسان خدا نے کر دی
مجھ کو ہر چیز عطا ماں کی دعا نے کر دی

عروض

ہر لفظ چھوٹی بڑی آوازوں کا مجموعہ ہوتا ہے جیسے لفظ ''شاعری'' ہے یہ تین اجزاء (Syllables) سے مل کر بنا ہے۔شا۔ع۔ری۔یعنی ''شا'' لمبی آواز ہے۔ع چھوٹی اور پھر ''ری'' لمبی آواز۔لفظ کے اجزاء ہی چھوٹی بڑی آوازیں ہیں۔انہی آوازوں کا تناسب ہی دراصل ''عروض'' کی بنیاد ہے۔جس سے کسی شعر کے موزوں ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں جانچا جاتا ہے۔جو باقاعدہ علم ہے۔

علم عروض میں چھوٹی آواز کو ''سبب'' اور لمبی آواز کو ''وتد'' کہتے ہیں۔جس طرح موسیقی میں سات سروں کی سپتک میں ردو بدل سے ایک خاص راگ اخذ کر لیا جاتا ہے۔اسی طرح عروض میں تین حرف ف ع ل کے تصرفات سے آٹھ بنیادی الفاظ بنا لئے گئے ہیں۔جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1. فاعلاتن 2. متفاعلن 3. مستفعلن 4. مفاعیلن

5. فاعلن 6. فعولن 7. مفاعلاتن 8. فعولات

ان الفاظ کو ''ارکان'' کہا جاتا ہے اور ایک لفظ کو رکن۔کسی ایک رکن کو بار بار لا کر ''بحر'' اخذ کر لی جاتی ہے۔جیسے فاعلاتن کے رکن سے یوں بحر بنے گی۔

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ الفاظ کی ترتیب اور بحروں کے ارکان میں مطابقت کیسے پیدا کی جائے کہ مطلوبہ وزن میسر آجائے یعنی شعر میں وزن پیدا ہو جائے۔اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے لفظ کی ساخت کو سمجھنا ہوگا۔

لفظ کی بنیاد حرف ہے۔حرف ہی لفظ کی اکائی ہے۔یعنی حروف کے ملنے ہی سے لفظ بنتے ہیں۔

دو حرفی لفظ: کو، تم، جا، تب، سن وغیرہ

تین حرفی لفظ: عام، بڑی، طرز، حرف، لفظ، ذکر وغیرہ۔

چار حرفی لفظ: مشکل، لیکن، تمام، کتاب، ضامن وغیرہ۔

پانچ حرفی لفظ: حضرات، لوگوں، محاسن، تبصرہ، مخالفت وغیرہ۔

چھ حرفی لفظ: صاحبان، خیالات، درس گاہ، پابندی وغیرہ۔

سات حرفی لفظ: استعمال، اخبارات، مقبولیت، بدتمیزی وغیرہ۔

گرائمر کے لحاظ سے لفظ کی ہیت تبدیل ہونے کی بحث کو ایک طرف رکھتے ہوئے اگر ہم لفظ کو کھول کر دیکھیں تو ہمیں دو طرح کے حرف دکھائی دیں گے۔

1۔ وہ حرف جن پر زیر، زبر یا پیش ہے، یعنی وہ متحرک حرف ہیں۔

2۔ وہ حرف جن پر زیر، زبر یا پیش نہیں بلکہ جزم (ْ) ہے۔یعنی وہ حرف ساکن ہے۔مثال کے طور پر:۔

☆ نے = نَ+ے

☆ مشکل = مُ+شْ+کِ+لْ

☆ کتاب = کِ+تَ+اُ+بْ

یوں حروف کے ساکن اور متحرک کا ایک جوڑا بنتا ہے۔کبھی ساکن اکیلا رہ جاتا ہے اور کبھی متحرک۔مثلاً

نے = نِ+ے = متحرک+ساکن=جوڑا

مشکل = مُشْ+کِل = جوڑا+ جوڑا

بڑی = بَڑْ+یْ = جوڑا+ساکن اکیلا

حروف کے جوڑا بننے سے ہمارے پاس الفاظ کی ایک نئی صورت آ جاتی ہے۔انہی کی مدد سے ہم لفظوں میں مطابقت یا وزن پیدا کر سکتے ہیں۔

ہم نے = ہَمْ نَ ے = ہم نے

اب تک = اَبْ تَ کَ = اب تک

مشکل = مُشْ کِ لْ = مشکل

لیکن = لِ ے کَ نْ = لیکن

آئیں ہم دیکھتے ہیں کہ بحر کے جو آٹھ ارکان ہم گزشتہ سطور میں پڑھ چکے ہیں کیا ان میں بھی الفاظ کی طرح متحرک اور ساکن والی کیفیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہم ایک رکن مفاعلین ہی لے لیتے ہیں۔

مفاعیلن = مَ فَ اُ عَ یْ لُ نْ = مَفَاعِیْ لُنْ

یعنی متحرک+متحرک ساکن+متحرک ساکن+متحرک ساکن۔

یعنی اکیلا+ جوڑا+ جوڑا+ جوڑا

اب الفاظ اور رکن کے درمیان مطابقت پیدا کریں۔

مفاعیلن = مَفَاعِیْ لُنْ = م ف اع ی ل ن

بڑا نازک = بَڑَا نَا زُ کَ = ب ڑان ازک

مرا دل ہے = م را دل ہے = م را دل ہ ے

سنا تم نے = س نا تم نے = س ن ات م ن ے

مرے دلبر = م رے دل بر = م رے دل ب ر

اب اگر مفاعیلن کے ارکان والی بحر پر مطابقت کریں۔

مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
بڑا نازک	مرا دل ہے	سنا تم نے	مرے دلبر

یوں بحر اور مصرع میں مطابقت ہوگئی۔ جسے وزن کہتے ہیں۔

آیئے آگے بڑھتے ہیں......!

حضرت اقبالؒ کا ایک شعر ہے۔ جو مفاعیلن کے ارکان پر کہا گیا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

پیدا	ور	دیدہ	میں	چمن	ہے	ہوتا	سے	مشکل	بڑی

م فا عی لن	م فا عی لن	م فا عی لن	م فا عی لن
ہ زا رو سا	ل نر گس اپ	ن بے نو ری	پ رو تی ہے
ب ڑی مش کل	س ہو تا ہے	چ من مے دی	دو ر پے دا
۲۲۲۱	۲۲۲۱	۲۲۲۱	۲۲۲۱

یہاں پر کچھ حروف مطابقت کے درمیان میں نہیں آئے مثلاً دونوں مصرعوں میں ل، ی ے ہ وغیرہ۔

ایسا اس لئے ہوا کہ یہ حروف اپنی خاص آواز نہیں رکھتے ہیں۔ چونکہ الفاظ اور ارکان کی مطابقت میں آواز کا اُتار چڑھاؤ ہی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہمیں الفاظ کے اجزا (Syllables) اور ارکان کے اجزاء کا خیال رکھنا ہوگا اور ان آوازوں کا بھی جو اپنے اتار چڑھاؤ میں لمبی ہوتی ہیں، چھوٹی ہوتی ہیں۔ یا رک جاتی ہیں۔ دب جانے والی آوازیں شامل نہیں کی جاتیں۔ یوں ''ارکان کے اجزاء کو الگ الگ کر کے دیکھنے وزن کے ٹھیک ہونے جانچ کرنے، کون سا حرف ارکان کے مطابق ہے۔ کون سا نہیں۔ اس ساری جانچ پڑتال کو ''تقطیع'' کہتے ہیں۔

تقطیع کرنا باقاعدہ ایک عمل ہے اور اس کے بھی قوائد وضوابط ماہرین نے مقرر کر رکھے ہیں۔ جو ایک طویل بحث کے متقاضی ہیں۔ یہاں ہم صرف اشارتاً ان حروف کا ذکر کریں گے۔ جنہیں عام طور پر تقطیع کرتے وقت شامل نہیں کیا جاتا۔

حروف ملفوظی

وہ حروف جن کی آواز بولنے میں ظاہر ہوتی ہے وہ شمار کئے جاتے ہیں اور جو لکھنے میں آئے ہیں لیکن بولنے میں نہیں انہیں شمار نہیں کیا جاتا۔ مثلاً فی الحال۔ عبدالعزیز تقطیع کے وقت فل حال اور عبدل عزیز ہوگا۔

حروف عِلّت

واؤ، الف، ی جب ہندی الفاظ کے آخر میں استعمال ہوتے ہیں تب ان کی آواز دبی ہوتی ہے۔ اس لئے شمار میں نہیں آتے مثلاً، کے، نے، جو، سے ہی وغیرہ ک، ن، ج، س، ہ، آتا ہے۔ لیکن جب ان کی آواز دب نہ رہی ہو تو شمار کئے جاتے ہیں۔

ھائے ھوز

یہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ پہلی وہ جو دوسرے حروف کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے مثلاً گھر، پھر، بھی۔ یہ گر، پر، بی شمار ہوں گے۔ دوسری وہ جو زیر، زبر یا پیش کے اظہار کے لئے ہو مثلاً یہ، وہ، پہ وغیرہ۔ ی و پ شمار ہوں گے۔

واؤ معدولہ

وہ واو جو لکھنے میں تو آتی ہے مگر پڑھی نہیں جاتی مثلاً خودی خوش وغیرہ خدی، خش شمار ہوگا۔

واؤ ضمہ

یعنی ایسا واؤ جس میں پہلے حرف پر پیش ہو مثلاً دوسرا۔ یہ دسرا شمار ہوگا۔

واؤ ملفوظی

جو کھینچ کر پڑھی جائے جیسے رو۔ اس میں و شمار نہیں ہوگی۔

نون غنہ

حروف علت کے بعد جو نون غنہ آتا ہے۔ وہ شمار نہیں ہووتا۔ مثلاً ماں جاں، پھانس، چاند، یہ اس طرح شمار ہوں گے۔ ما، جا، پاس، چاد۔

نون مخلوط

ایسا نون جو حروف میں ملا کر پڑھا جائے وہ شمار نہیں ہوتا۔ مثلاً بھنور، ہنسی، بور، ہسی شمار ہوگا۔

نون ملخوطی

وہ نون جو تلفظ میں صاف بولا جاتا ہے۔ مثلاً رنگ، تنکا، سنگ وغیرہ۔ رنگ، تن کا، سن گ شمار ہوگا۔

حروف ساکن

اگر کسی لفظ میں دو ساکن حروف ساتھ آتے ہیں تو تقطیع میں دوسرا ساکن حرف متحرک شمار ہوگا۔ مثلاً تمام، میں م متحرک ہوجائے گا۔

تنوین

جس حرف پر تنوین یعنی دوزبر، دوزیر یا دو پیش ہوں وہ دو حرف شمار ہوں گے۔ دوسرا حرف ''ن'' بن جائے گا۔ مثلاً مقصداً۔ قص دَن۔ فوراً کا فورن بن جائے گا۔

الف ممدود

یعنی مد والا الف دو حرف شمار ہوگا۔ مثلاً آج۔ اٗج۔

حرف مشدد

شد والا حرف بھی دو حرفی شمار ہوگا۔ جیسے تغیر۔ ت غی یر ہوگا۔

کھڑا زبر

جس حرف پر کھڑا زبر لگا ہوگا وہ ایک حرف ''الف'' شمار ہوگا۔ جیسے موسیٰ، موسا۔ عیسیٰ، عی سا۔

کھڑا زبر

ایک حرف ''ی'' شمار ہوگا۔

ہمزہ

جس واؤ یا ی پر ہمزہ ہوگا دو حرف شمار ہوگا۔ جیسے سوئی۔ سوِی ہوگا۔

اردو بحر کے ارکان وزحافات

یوں تو بنیادی طور پر عربی، فارسی اور اردو میں ۱۹ بحریں ہیں تاہم اردو زبان میں گیارہ بحریں رائج ہیں۔ مگر معاملہ انہی گیارہ بحروں پر نہیں رہ جاتا بلکہ تمام بحریں سالم استعمال نہیں ہوتیں۔ ان کے ارکان میں تغیر وتبدل کر دیا جاتا ہے۔ عروضی اصلاح میں انہیں ''زحافات'' کہتے ہیں۔ بحروں کے ارکان اور زحافات مندرجہ ذیل ہیں۔

1. فَاْعِلَاْتُنْ　　2. مُسْتَفْعِلُنْ　　3. مَفَاْعِیْلُنْ

4. مَفَاْعِلَنْ　　5. فَاْعِلُنْ　　6. مُفْتَعِلُنْ

7. مَفعُوْلَنْ　8. مَفَاْعِیْلُ　9. فَاْعِلَاْتُ

10. فعُوْلُ　11. فَعُولَنُ　12. مَفْعُوْلُ

13. فِعْلَانُ　14. مَتَفَاْعَلُنْ　15. مُفَاْعَیْلَاْنُ

16. مَفْعُولَاْتُ　17. مَفُوْلَاْتُ　18. مَسَتَفْعِلَاْنُ

19. مُفَاْعِلَاْن　20. فِعْلَانُ　21. مُفَاْعِلَاْتُنُ

22. فَعِلان　23. فَعِلَاْتُ　24. فَعْلُن

25. فَعِلُنْ　26. فِعْلُ　27. فَاْعْ

28. فَعَلُ　29. فَعْ

چند بحریں

اگرچہ اصلی ارکان کے کچھ حرف گرا کر، بڑھا کر یا ساکن کر کے ''زحاف'' بنا لئے جاتے ہیں۔ اصل میں رائج، مانوس اور پسندیدہ اوزان کو کھینچ تان کر عربی عروض کے مطابق ڈھال لئے گئے۔ جن سے بحروں کا مزاج تک بدل جاتا ہے۔ بہرحال تفاصیل کے لئے اساتذہ کی کتابوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ مندرجہ ذیل میں چند بحریں دی جاتی ہیں۔ جن پر نوآموز لکھاری (شاعر) طبع آزمائی کرسکتے ہیں یاد رہے کہ یہ سارا کھیل ایک اور دو (سبب وتد) کی ترتیب کا ہے جو ہر بحر میں ہوتی ہے۔ وہ ملحوظ خاطر ہے۔

☆ بحر ہزج

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

۲۲۲۱+۲۲۲۲۱+۲۲۲۱+۲۲۲۱

☆ بحر رجز

مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

۲۱۲۲-۲۱۲۲-۲۱۲۲-۲۱۲۲

☆ بحر رمل

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن

۲۲۱۲-۲۲۱۲-۲۲۱۲-۲۲۱۲

☆ بحرمنسرح

مفتعلن فاعلات مفتعلن فاعلات

۲۱۱۲-۱۲۱۲-۲۱۱۲-۱۲۱۲

☆ بحرمضارع

مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

۱۲۲-۲۲۱۲-۱۲۱۲-۲۲۱۲

☆ بحرمقتضب

فاعلات مفعولن فاعلات مفعولن

۱۲۱۲-۲۲۲-۱۲۱۲-۲۲۲

☆ بحرمجتث

مفاعلن مفلاتن مفاعلن فعلن

۲۱۲۱-۲۲۱۱-۲۱۲۱-۲۲۱۱

☆ بحرسریع

مفتعلن مفتعلن فاعلن

۲۱۱۲-۲۱۱۲-۲۱۲

☆ بحرخفیف

فاعلاتن مفاعلن فعلن

۲۲۱۲-۲۱۲۱-۲۲

☆ بحرمتقارب

فعولن فعولن فعولن فعولن

۲۲۱-۲۲۱-۲۲۱-۲۲۱

☆ بحرِ متدارک

فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن

۲۱۲-۲۱۲-۲۱۲-۲۱۲

☆ بحرِ کامل

متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن

۲۱۲۱۱-۲۱۲۱۱-۲۱۲۱۱-۲۱۲۱۱
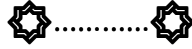
اصناف شاعری

اصناف شاعری کو دو اہم اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ موضوع کے لحاظ سے اصناف شاعری: جیسے حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، غزل، مرثیہ، مزاح، گیت، ہجو وغیرہ۔

2۔ ہیت کے لحاظ سے، اس میں بیت، مسمط، مثلث، مربع، رباعی، قطعہ، مخمس، مسدس، ترکیب بند، نظم معرا اور آزاد نظم ہوتی ہے۔

ساخت کے اعتبار سے ان دو اقسام کو چار حصوں میں بانٹا گیا ہے۔

☆ پابند نظم: ایسی شاعری جس میں وزن، بحر، قافیہ اور ردیف ہو۔

☆ نظم معرا: ایسی شاعری جس میں وزن اور بحر، قافیہ اور ردیف ہو۔

3۔ آزاد نظم: ایسی شاعری جس میں وزن تو ہو لیکن بحریں مختلف استعمال کی جاتی ہیں اور قافیہ ردیف کی پابندی کی نہیں جاتی۔

4۔ نثری نظم: ایسی شاعری جس میں وزن، بحر، قافیہ ردیف کی پابندی نہیں ہوتی، محض غنائیہ الفاظ کی ترتیب ہی کو اہم گردانا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل میں شاعری کی اصناف کو انتہائی اختصار سے پیش کیا جاتا ہے۔

غزل

غزل کے لغوی معنی تو شباب کی باتیں، عورتوں سے گفتگو، نوجوان لڑکیوں کے چرخہ کاتنے اور زخمی ہرن کے گلے سے نکلنے والی چیخ کے ہیں تاہم غزل کے اصطلاحی معنی میں وہ صنف شاعری جس کا ہر شعر جداگانہ مضمون رکھتا ہو۔

ہیت وساخت کے اعتبار سے غزل ایک ہی بحر پر کہی جاتی ہے۔ جس کے پہلے دونوں مصرعے قافیہ اور ردیف کے پابند ہوتے ہیں۔ اس شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ غزل کے دوسرے مصرعے میں قافیہ اور ردیف کی پابندی کی جاتی ہے۔ آخری

شعر جسے مقطع کہا جاتا ہے۔اس میں شاعر اپنا نام یا تخلص بیان کرتا ہے۔بعض اوقات غزل میں ردیف استعمال نہیں کیا جاتا، ایسی غزل کو ''غیر مردف'' کہتے ہیں۔غزل کا ہر جداگانہ مضمون رکھنے کے ساتھ ساتھ معنوی لحاظ سے مکمل ہوتا ہے۔

مطلع

جو موسموں پہ کتاب لکھنا
تو کانٹا کانٹا گلاب لکھنا
کبھی جو لکھنا تو ایسے لکھنا
وفا بھی اس کی عتاب لکھنا
تمہارے ذمہ بھی قرض ہوتا
ہمیں جو آتا حساب لکھنا
نہ اس میں بے شک سلام لکھنا
کبھی تو خط کا جواب لکھنا
ستم تو دیکھو بضد ہیں چڑیاں
ہمیں بھی اب تم عقاب لکھنا

مقطع

یہ شب بھی جیسے عذاب کاشف
ہے دن بھی یوم حساب لکھنا

☆ ردیف، قافیہ اور غزل کے وزن کا جو مجموعی تصور ہوتا ہے، اسے ''زمین غزل'' کہتے ہیں۔

☆ غزل کا شعر اپنے معنی و مضمون کے لحاظ سے جداگانہ اور مختلف ہوتا ہے۔تاہم اگر تمام اشعار میں ایک ہی مضمون کے مختلف پہلوؤں کو ادا کیا جائے تو قابل تعریف ہے۔

☆ غزل میں ہر طرح کا موضوع باندھا جا سکتا ہے۔عشق و محبت، فلسفہ، تصوف، اخلاقیات، جو بھی ''مزاج یار'' میں آئے۔ تاہم روانی و ملائمت ہی اصل حسن ہے۔

☆ غزل میں طرز ادا کی بے ساختگی، بے تکلفانہ پن اور روانی جس قدر ہوگی وہ اتنی ہی معیاری ہوگی۔

☆ جس قدر جذبات کی سچائی، نغمگی اور موسیقیت کے ساتھ روانی ہوگی۔ اسی قدر غزل کے اعلیٰ ہونے کا ثبوت ہے۔

☆ غزل کا موضوع ''انسان'' ہے۔

☆ غزل کا حسن، ایجاز واختصار، داخلیت، ایمائیت، اور زبان وبیان کا بہترین استعمال ہے۔

☆ غزل کے اشعار طاق میں ہوتے ہیں۔

قصیدہ

قصیدہ کا لفظ ''قصد'' سے ہے جس کے معنی ''ارادے'' کے ہیں۔ اصناف شاعری میں قصیدہ اس صنف کو کہتے ہیں جس میں کسی زندہ شخص کی تعریف کی گئی ہو یا کسی کی برائی (ہجو) کی گئی ہو۔

غزل کے طرح قصیدے کا بھی مطلع ہوتا ہے۔ مطلع اور اس کے تمام اشعار غزل کی طرح قافیے اور ردیف کے پابند ہوتے ہیں۔ تعداد اشعار کی کوئی حد مقرر نہیں۔ قصیدہ کی ترتیب یوں ہے۔

☆ تشبیب: یہ قصیدے کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے۔ جس میں شاعر ابتدائیہ بیان کرتا ہے۔

☆ قصیدے کا دوسرا حصہ جس میں ابتدائیے اور اصل موضوع کی طرف آنا ہوتا ہے یعنی گریز اصل مقصد کی طرف آنے کا معقول اشارہ ہوتا ہے۔

☆ مدح: اس میں شاعر اپنا اصل مدعا یعنی تعریف وتوصیف یا ہجو بیان کرتا ہے۔

☆ حسن طلب: اپنے ممدوح سے جو بھی طلب ہو۔ اس کا ذکر ہوتا ہے۔

☆ دعا قصیدے میں اگر کسی برائی کی گئی ہے تو اس قصیدے کو ہجو اور اگر تعریف وتوصیف کی گئی ہے تو مدح کہتے ہیں۔

اگر اللہ رب العزت کی مدح کی گئی ہو تو اسے ''حمد''، رسول اللہ ﷺ کی ہو تو ''نعت'' خلفائے راشدین یا بزرگان دین میں سے کسی کی تعریف وتوصیف کی گئی ہو تو 'منقبت'' اور کسی بادشاہ، امیر رئیس وغیرہ کی ہو تو اس ''مدح'' کہتے ہیں۔

مرثیہ

عربی لفظ ''رثا'' سے مرثیہ بنا ہے جس کے معنی مردے کو رونے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کے ہیں۔ اصطلاح

میں اس صنف شاعری کو کہا جاتا ہے جس میں مرنے والے کو رونا اور اس کی خوبیاں بیان کرنا ہے۔اس کی تین اقسام ہیں۔

1۔ بزرگان قوم وسلاطین کی موت پر دکھ کا اظہار۔

2۔ عزیز رشتہ داروں اور خاندان کے افراد کی موت پر اظہار غم۔

3۔ ایسے مراثی جن میں سانحہ کربلا کا ذکر ہوتا ہے۔

مرثیہ ایک مرکب صنف ہے۔اس میں تقریباً سبھی اصناف شاعری کے انداز آ جاتے ہیں۔تاہم اس میں کوئی گری ہوئی یا گھٹیا بات نہیں لائی جاتی۔مرثیہ عموماً نو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

1۔ چہرہ: یہ تمہیدی حصہ ہوتا ہے اور اس کے آئندہ بیان میں مرثیے کی فضا پیدا کی جاتی ہے۔

2۔ سراپا: اس حصہ میں شاعر اپنے ممدوح کی شکل وصورت اور کردار بیان کرتا ہے۔

3۔ رخصت: اس میں ممدوح کا جنگ کے لئے رخصت ہونے کا ذکر ہوتا ہے۔

4۔ آمد: اس ممدوح کا میدان جنگ میں پہنچنے کا انداز بیان کیا جاتا ہے۔

5۔ رجز: یہ وہ گیت ہوتے ہیں جو ممدوح کی بزرگی، فضیلت اور بہادری کے لئے کہے جاتے ہیں۔

6۔ جنگ: میدان جنگ کی رزمیہ شاعری جس میں ممدوح کے کارنامے بیان کئے جاتے ہیں۔

7۔ شہادت: اس میں ممدوح کی شہادت بارے تذکرہ ہوتا ہے۔

8۔ بین: ممدوح کے عزیز واقارب کا موت پر رونا اور نوحہ۔

9۔ دعا: ممدوح کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر میر ببر علی انیس کے مرثیہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

مثنوی

مثنوی کا لفظ ''مثنیٰ'' سے ہے جس کے معنی دو کے ہیں۔اصطلاح میں ایسی صنف شاعری کو کہتے ہیں جس میں کہانی بیان کی گئی ہو۔

مثنوی میں شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔تاہم اس کر ہر دوسرے شعر کا قافیہ ردیف یا محض قافیہ بدل جاتا ہے۔جبکہ بحر ایک ہی استعمال ہوتی ہے۔تعداد اشعار کی کوئی حد مقرر نہیں۔مثنوی کے اوزان مقرر ہیں۔جو تعداد میں

سات ہیں۔مثنوی میں لمبے لمبے قصے کہانیاں بیان کئے جاتے ہیں۔یعنی نثر میں جو کام ناول سے لیا جاتا ہے۔وہی کام شاعری میں مثنوی سے لیا جاتا ہے۔ہر شعرایک دوسرے سے جڑاہوا ہوتا ہے۔مثنوی کے قواعد مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ مربوط:مثنوی کا ہر مصرع، دوسرے مصرع کے ساتھ، ہر شعر، دوسرے شعر کے ساتھ مربوط ہونا لازمی ہے۔یہ ربط لفظوں اور معنی، دونوں میں تسلسل سے ہونا چاہیے۔

2۔ حسن ترتیب:مثنوی میں دیئے گئے واقعات کی کڑیاں آپس میں ملتی ہوں۔

3۔ کردارنگاری:مثنوی میں کردارنگاری کی جاتی ہے۔جن کے گرد کہانی گھومتی ہے۔

4۔ واقعہ نگاری:واقعہ اوراس کی جزئیات بیان کی جاتی ہیں۔

5۔ عدم تضاد: یکسانیت بیان،ایک واقعہ یا بیان دوسرے کی تکذیب نہ کرے۔مثال کے طور پر مشہور مثنوی،مثنوی سحر البیان دیکھی جاسکتی ہے۔

رباعی

رباعی،عربی کے لفظ ''ربع'' سے بنا ہے جس کے معنی چار کے ہیں۔اصطلاح میں شاعری کی اس صنف کو کہتے ہیں جس کے چار مصرع ہوتے ہیں۔

رباعی کی ایک مخصوص بحر(بحر ہزج مثمن)ہوتی ہے۔اس بحر میں زحاف کی وجہ سے چوبیس وزن بنائے گئے ہیں۔ رباعی ان چوبیس اوزان میں سے کسی ایک وزن پر ہوتی ہے۔رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں۔جس میں پہلا،دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

☆ زندگی کے کسی موضوع کو بھی رباعی میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

☆ پہلے تین مصرعوں میں ایک خیال کے مختلف حصوں کو بیان کیا جاتا ہے اور چوتھے مصرع پر زور ہوتا ہے کیونکہ رباعی کی تاثیر کا زیادہ تر انحصار اس کے آخری مصرعہ پر ہوتا ہے۔

☆ ایک خیال کو پیش کرنے کے لئے بہت زیادہ ایجاز واختصار سے کام لیا جاتا ہے۔

قطعہ

قطعہ کے لغوی معنی تو ٹکڑے کے ہیں۔اصطلاح میں شاعری کی اس صنف کو کہا جاتا ہے جس میں ایک خیال،واقعہ

یا موضوع مسلسل بیان کیا گیا ہو۔اس کے اشعار میں بھی قافیہ ردیف ہوتا ہے۔عموماً قطعہ کے دوشعر یا چار مصرع ہوتے ہیں اور چاروں ہم وزن ہوتے ہیں۔اس میں ایک شعر کا مفہوم اور مطلب دوسرے شعر سے وابستہ ہوتا ہے زندگی کی کسی ایک بات، واقعہ یا سوچ کو ایک قطعہ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔تسلسل اور روانی ہی قطعہ کا اصل حسن ہے۔

مسمط

مسمط اس نظم کو کہتے ہیں جس میں متعدد بند اور ہر بند میں متعدد مصرع ہوتے ہیں۔یوں بند کے مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے مسمط کی کئی قسمیں ہیں۔

مثلث: تین تین مصرعوں کے بند ہوتے ہیں پہلے تین مصرعوں کا قافیہ ایک ہوتا ہے باقی دو بندوں میں دو دو مصرعے کا قافیہ جداگانہ اور تیسرے مصرع میں بند اول کا قافیہ ہوتا ہے۔

مربع: چار چار مصرعوں کے بند ہوتے ہیں اور چار مصرعے ہم قافیہ، دوسرے بند کے تین مصرع ہم قافیہ، دوسرے بند کے تین مصرع الگ الگ قافیہ رکھتے ہیں اور چوتھا مصرعہ پہلے بند کے ہم قافیہ ہوتا ہے۔اس طرح مزید سلسلہ چلتا ہے۔

مخمس: پانچ مصرعوں کے متعدد بند ہوتے ہیں۔ پہلے مصرعوں کے پانچوں مصرعے ہم قافیہ اور باقی بندوں کے چار چار مصرعے الگ سے ردیف قافیہ رکھتے ہیں۔جبکہ پہلا مصرع پہلے بند کے تابع ہوتا ہے۔

مسدس: چھ چھ مصرعے کے بند ہوتے ہیں۔ پہلے بند کے کل مصرعے ہم قافیہ، باقی بندوں کے پانچ مصرعے ہم قافیہ اور چھٹا مصرع قافیہ بند اول کا پابند ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا ہیتوں میں روز افزوں نت نئے تجربات ہو رہے ہیں۔اس لئے ان میں بنیادی طور پر تو نہیں لیکن تبدیلیوں کی گنجائش رہی ہے اور رہے گی۔

نظم معریٰ

نظم معریٰ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں باقاعدہ وزن اور بحر تو ہوتی ہے لیکن قافیہ و ردیف کی پابندی نہیں کی جاتی۔ اگر کہیں قافیہ ردیف آ بھی جائے تو وہ اس کی ساخت کا حصہ نہیں ہوتا۔ یہ ساخت انگریزی سے اردو میں آئی ہے۔اس کا وجود اس لئے قبول کرلیا گیا ہے کہ بعض اوقات شاعر کو ایسا خیال سوجھتا ہے جو ردیف قافیے کے باعث پابند نہیں ہو پاتا۔اس طرح کی نظمیں فیض، راشد، مجید امجد، احمد ندیم قاسمی، عبدالعزیز خالد، طفیل دارا، امجد اسلام امجد کی شاعری میں دیکھی جاسکتی

ہیں۔

آزاد نظم

آزاد نظم اس نظم کو کہتے ہیں جس میں نہ ردیف قافیہ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی مسلمہ وزن ہو۔مصرعے اگر چہ بحر میں ہوتے ہیں لیکن تعداد ارکان کا خیال نہ رکھا گیا ہو۔کم از کم ایک رکن کا بھی مصرع ہوسکتا ہے۔زیادہ سے زیادہ کی حد نہیں ہو سکتی۔

ایک مصرع یوں طول وطویل کے پابہ فیل زنجیر کی طرح
دوسرا مچھر کی دم

ہائیکو یا ماہیا

جاپانی صنف سخن ہائیکو تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔جو اپنے طور پر پوری نظم ہوتی ہے۔اس کا اپنا مخصوص وزن ہوتا ہے۔اسی طرح اردو میں ماہیا پنجابی زبان سے آیا ہے۔یہ بھی ہائیکو کی طرز پر تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کا اپنا وزن ہوتا ہے۔ہائیکو اور ماہیا ملاحظہ ہوں۔

ہائیکو

تیری میری چاہت کا
امتحان لیتی ہیں
دوریاں تو پاگل ہیں
(صادق شمیم چوہدری)

ماھیا

تب ماہیۓ لکھتے ہیں
پیار صحیفے جب
اس دل پہ اترتے ہیں
(امین بابر)

نثر

ایسی تحریر جس میں کوئی توازن، ہم آہنگی، وزن وغیرہ نہ پایا جائے نثر کہلاتی ہے۔اصناف نثر کے تعارف سے پہلے چند نثری اصطلاحات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے تا کہ نو آموز لکھاری ان سے واقفیت حاصل کر لیں اور اصناف نثر کو سمجھنے میں آسانی معلوم ہو۔

چند نثری اصطلاحات

پلاٹ

کسی بھی تحریر کے لئے خام مواد کی وہ منطقی ترتیب جو ایک لکھاری کے ذہن میں ہوتی ہے۔ پلاٹ کہلاتی ہے۔ پلاٹ میں جو منطقی ترتیب ہوتی ہے اس میں مکمل ہم آہنگی پائی جائے۔تا کہ نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے ربط و تسلسل قائم رہے اور یہی پلاٹ کی بنیادی خصوصیت ہوتی ہے۔

کردار

کسی واقعہ کا وہ عناصر جن پر واقعہ ظہور پذیر ہوا ہو یا جو کسی واقعہ یا قصہ کے ظہور ہونے کا باعث ہوں کردار کہلاتے ہیں۔

کردار کسی نہ کسی معاشرت کے عکاس ہوتے ہیں۔ان کا عہد ہوتا اور زمانہ بھی۔کردار اپنی معاشرت، دور اور عہد کے مطابق ذہنی کیفیت رکھتے ہیں اور یہی عناصر کسی کردار کی اہمیت اور وقعت بناتے ہیں۔

بنیادی طور پر کردار دو قسم کے ہوتے ہیں۔جامد اور متحرک، جامد کردار وہ ہوتے ہیں جو کسی خاص طبقہ، گروہ یا کسی ایسی معاشرتی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جن کی سیرت ماہ و سال کے سانچوں میں ڈھل کر پختہ ہو چکی ہو کہ وہ زندگی کے بدلتے ہوئے تغیرات کا ساتھ نہیں دیتے۔دوسری قسم متحرک کی ہے جو تغیرات زمانہ اور حالات و واقعات کے ساتھ بدلتے ہیں۔

کردار سازی کیسے ہوتی ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں جیتے جاگتے، ہمکتے ہوئے نگاہوں کے سامنے اپنا وجود مجسم کر جانے والے کردار کیسے بنتے ہیں؟ کردار سازی دراصل لفظوں کے پیکر تراش دینے والی بات ہے۔جو باقاعدہ ایک فن ہے۔

اس فن میں چند باتیں یہ ہیں کہ

☆ کردار سازی کے لئے مشاہدہ کا تیز ہونا اور گہرا ہونا اشد ضروری ہے۔

☆ جس معاشرت سے کردار تراشا ہو، اس کا جاننا اس سے بھی اہم ہوتا ہے۔

☆ کردار سازی میں زمانے اور عہد کا خیال رکھنا ازبس ضروری ہے۔

☆ جس صنف کے لئے کردار سازی کی جارہی ہے، وہ صنف ملحوظ خاطر رہے۔

☆ کردار کی ذہنی استعداد کا خیال رکھنا جانا چاہیے۔

مکالمہ

تحریر میں موجود کرداروں کی بات چیت یا گفتگو کو مکالمہ کہتے ہیں۔ جس سے تحریر کو اپنے منطقی انجام تک پہنچنے، کرداروں کے خدوخال اور لکھاری کے نقطہ نظر کو پیش کرنے میں مدد ملتی ہے۔ مکالمہ میں اختصار کے علاوہ وہ زبان استعمال ہو جو روزمرہ زندگی کی زبان سے قریب، کرداروں کا اسلوب فکر، ذہنی استعداد اور پلاٹ کے تقاضے سے ہم آہنگ ہو۔ مکالموں میں ایک خاص قسم کا حقیقی پن ضرور ہو جسے فطری پن کہا جا سکتا ہے۔ جو کرداروں کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ یہ مکالمے، تحریر کو ارتقائی منازل سے گزار کر منطقی انجام تک پہنچاتے ہیں۔ لکھاری کے نکتہ نظر کو واضح کرنے، فلسفہ حیات کے اظہار، نظریہ زندگی اور ذاتی رجحان کو سامنے لانے کا باعث بنتے ہیں۔ ان کے ذریعے کسی معاشرت کی تمدنی زندگی ہمارے سامنے واضح ہوتی ہے۔ مکالمے تحریر کا وہ عنصر ہیں جو لکھاری کا ذہنی عکس ہوتے ہیں۔ بہترین مکالمے وہ ہوتے ہیں جن سے نہ صرف کردار نگاری میں مدد ملتی ہے بلکہ برجستہ موزوں دلچسپ اور کردار سے مطابقت رکھنے والے ہوں۔

ماحول اور موضوع

کسی بھی تحریر کا وہ پس منظر جس میں تحریر بیان کی گئی ہو ماحول اور جس مقصد کے لئے کہی گئی ہو موضوع کہلاتی ہے اس کی خوبصورت مثال رحیم گل کا ناول ''جنت کی تلاش'' ہے۔ جس میں پاکستان کے ایسے خطے کو ماحول، لینڈ اسکیپ یا کینوس کے طور پر لیا گیا ہے۔ جو قدرتی حسن سے مالا مال ہے۔ قدرتی طور پر ناول میں بھی وہی خوبصورتی در آئی ہے اور اس کا موضوع آفاقی حسن سے اپنے اندر کے حسن میں جھانکنے کی کوشش ہے۔

پریم چند کے اکثر افسانوں کا ماحول، لینڈ اسکیپ یا کینوس دیہاتی زندگی ہے۔ اس دیہاتی زندگی میں زندگی کے کسی

مسئلے کا بیان موضوع ہوتا ہے۔اسی طرح سعادت حسن منٹو کے افسانہ ''ہتک'' میں ایک طوائف کی عبرت زدہ غلیظ زندگی افسانے کا ماحول (لینڈ اسکیپ یا کینوس) ہے۔اور ''اونہہ'' سے طوائف کے اندر موجود خودار عورت کا اظہار اس کا موضوع ہے۔ماحول صرف نثر ہی میں نہیں ہوتا بلکہ شاعری میں بھی موجود ہوتا ہے۔

اختصار

اختصار کے لغوی معنی کم کرنا، گھٹانا اور خلاصہ کے ہیں۔تاہم اصطلاح میں اختصار کا مطلب ضخامت سے یا مختصر کرنے کا نام نہیں بلکہ تحریر میں موضوع سے مطابقت رکھنے والے اجزاء(کردار، مکالمے یا دیگر کوائف)ہی ہیں۔جس سے موضوع کے مطابق مطلوبہ تاثر پیدا کرنا مقصود ہو۔

اسلوب

اسلوب کے لغوی معنی طرز، طریقہ یا روش ہے۔تاہم اصطلاحی معنوں میں لکھاری کا طرز تحریر ہے جسے ہم سٹائل (**Style**) کہتے ہیں۔

کسی خاص فکر یا تصور کو ایک لکھاری اپنے انداز سے بیان کرتا ہے۔اسی خاص فکر یا تصور کو دوسرا لکھاری اپنے انداز سے بیان کرتا ہے۔ چاہے دونوں نے ایک ہی صنف سخن اپنائی ہو۔ان دونوں کی انفرادیت دراصل اسلوب ہی کے باعث ہو گی۔دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ ہر لکھاری کا اپنا اسلوب ہوتا ہے۔

قدم ادبی شہ پارے اپنے اسلوب ہی کے باعث اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ورنہ ایک ہی تصور، خیال ،فکر یا قصہ،ایک بار لکھنے سے ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔تحریر کی دوامیت اس کے اسلوب کے باعث ہوتی ہے۔

> ''زبان ابلاغ کا آلہ ہے اور اسلوب اس کی طاقت۔اسلوب صرف طریقہ اظہار ہی نہیں، اس کا تعلق فن کار کی سوچ کے انداز سے بھی ہے اور وہ سوچ کا انداز اس کے عہد کی عطا ہے۔''
>
> ''فنی تخلیقات ہیں اسلوب کا اختلاف اس وقت تک نمایاں نہیں ہو سکتا جب تک مشاہدہ حقائق میں فن کار کا نقطہ نظر دوسروں سے مختلف نہ ہو۔''(**Murray Steudual** کی کتاب **Style** سے)

کہانی پن

کہانی پن کسی بھی پلاٹ کی بنیاد ہوتا ہے۔ کہانی، قصے کے ان بنیادی اجزاء کا نام ہے جن پر پلاٹ ترتیب دیا جاتا ہے۔ کہانی وہ افکار و خیالات ہیں جو با قاعدہ طور پر منطقی ترتیب میں نمو پاتے ہیں اور پھر ایک واقعہ سے دوسرا واقعہ جنم لیتا ہے۔ یہ ایک سلسلہ ترتیب ہے جسے کہانی پن کہتے ہیں۔ کہانی دراصل ایک خاکہ ہوتا ہے جس کو پلاٹ کی صورت میں سنوارا جاتا ہے۔ کسی داستان، کہانی، یا ناول میں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے وہ کہانی ہے، جس انداز سے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ پلاٹ ہے۔ بعض اوقات اردو فکشن میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جن میں سرے سے پلاٹ ہی نہیں ہوتا، بس کہانی ہوتی ہے۔
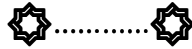
اصناف نثر (ادبی)

داستان

ایک ایسی طویل نثری کہانی، جس میں لاتعداد ذیلی قصے موجود ہوتے ہیں۔ داستان کہلاتی ہے۔

داستان کی خصوصیات

1۔ داستان میں عام معمول کی زندگی نہیں بلکہ ماورائی حالات وواقعات اور کردار ہوتے ہیں۔

2۔ داستان کا مرکزی کردار یعنی ''ہیرو'' ایک مثالی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔

3۔ حسن وعشق، ماورائی مناظر، طلمساتی فضا، کرداروں کے درمیان کشمکش کو انتہائی موثر اور دلچسپ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

4۔ داستان محض تفریح طبع کا مواد لئے ہوتی ہے۔

5۔ داستان کی زبان ہی دراصل اس کی کشمکش کا باعث ہوتی ہے جو نہ صرف قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے بلکہ زبان ہی کے باعث قاری کی قوت متخیلہ میں ہلچل بپا کر دیتی ہے۔

6۔ داستان میں اگرچہ لکھاری کے ساتھ اس کا ماحول در آتا ہے تاہم وہ داستان میں اپنی معاشرت کے ساتھ ساتھ ایک نیا جہان آباد کرتا ہے۔

داستان کی تکنیک

یوں تو داستان میں ایک ہی قصہ یا کہانی بیان کی جاتی ہے جو کہ طویل ہوتا ہے۔ تاہم کہانی میں موجود کرداروں کے ذریعے نئے سے نیا قصہ بیان ہوتا ہے۔ داستان کا ماحول، کردار اور مناظر وغیرہ مادرائی ہوتے ہیں۔ اس لئے انسانوں اور ماورائی کرداروں کے درمیان کشمکش ہی داستان کا حسن قرار پاتی ہے۔ عموماً داستان میں بنیادی کہانی مہم

سے متعلق ہوتی ہے اور اس کا مثالی قسم کا ہیرو اس مہم پر نکلتا ہے جس میں اسے کردار ملتے ہیں۔ داستان کا ماحول عام زندگی سے چونکا دینے والا اور منفرد ہوتا ہے کہانی کے ذیلی قصے ہی بنیادی کہانی کو آگے بڑھنے میں مدد دیتے ہیں۔ داستان کی قدر و قیمت کا اندازہ تین پہلوؤں سے لگایا جاسکتا ہے۔

1۔قصہ پن 2۔طوالت تسلسل کے ساتھ 3۔انشاء پردازی۔

ناول

ناول......!ایسی صنف نثر جو انگریزی سے اردو میں آئی۔ لفظ ناول کے معنی ''نئی اور انوکھی چیز'' کے ہیں۔ تاہم اس سے مراد اردو کی وہ صنف نثر ہے جو قصے اور داستان کی ارتقائی صورت ہے۔ ناول میں عام زندگی، اس سے متعلق رویے جذبات، ماحول، معاملات، واقعات کو دلچسپ ترین انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ یوں ناول ماورائی دنیا سے ہٹ کر حقیقی زندگی کا عکاس ہوتا ہے۔

ناول کے عناصر ترکیبی

1۔پلاٹ 2۔کردار 3۔مکالمے 4۔منظر نگاری 5۔موضوع

ناول کی خصوصیات

☆ ناول میں واقعات کی ترتیب میں منطقی ربط ہوتا ہے جو شروع سے آخر تک قائم و دائم رہتا ہے۔ جو ناول کا فطری ارتقاء ہے۔

☆ عام زندگی سے لئے گئے فطری لوگ ہی اس کے کردار ہوتے ہیں۔ کردار نگاری ہی دراصل کسی ناول کی اصل جان ہوا کرتی ہے۔

☆ مکالمے، ناول کی کہانی میں رنگ بھرتے ہیں۔ ناول میں مکالمے اور کردار نگاری لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ مکالموں کے ذریعے ہی کرداروں کے احساسات، ان کی قلبی وارداتیں، ان کے جذباتی رنگ بیان کئے جاتے ہیں۔

☆ ناول میں منظر کشی کرتے ہوئے اگر تخیل سے بھی کام لیا گیا تو یہ ناول کے حسن میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے تاہم اس میں منطقی ربط موجود ہو۔

☆ ناول کا موضوع فوری طور پر سامنے نہیں آ تا بلکہ ناول کی تکمیل کے بعد ہی سامنے آ تا ہے۔

ناول کی مختلف اقسام ہوسکتی ہیں کیونکہ یہ لکھاری کے تجربات اور موضوع کی مناسبت سے ہوتے ہیں۔مثلاً

تاریخی ناول، نفسیاتی ناول، معاشرتی ناول وغیرہ وغیرہ

افسانہ

افسانہ کا لغوی معنی ''جھوٹی بات'' کے ہیں۔اصطلاحاً افسانہ،اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں حقیقی زندگی کے کسی ایک پہلو کے بارے میں مکمل عکاسی کی گئی ہو۔

افسانہ کی خصوصیات

☆ افسانہ ایک مختصر داستان ہے جس میں کسی ایک نقطہ،کسی ایک خاص واقعہ یا ایک کردار پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

☆ ناول کے عناصر ترکیبی کو انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔

☆ منظّم خیال اور وحدت تاثر کا حامل ہو۔

☆ افسانہ کسی خاص افعال کا خاص دورانیہ کے اندر رہتے ہوئے کیفیات کو اختصار سے بیان کرنے کا نام ہے۔

☆ زندگی کے کسی خاص لمحے،خاص کیفیت یا خاص انداز کو پیش کرے۔

☆ افسانہ ایسا انجام رکھتا ہو جس سے قاری چونکا دینے والے تاثر سے آشنا ہو۔

☆ قاری کے لئے سوالوں یا خیالوں کے نئے در کھول جائے۔

افسانہ کے عناصر ترکیبی

1۔پلاٹ 2۔کردار 3۔جذبات نگاری 4۔منظر نگاری 5۔کہانی پن

6۔مکالمے 7۔روانی

فنی حوالے سے افسانے کی تقسیم یوں ہوسکتی ہے۔

☆ الجھاؤ سے سلجھاؤ کی طرف

☆ نارمل صورت حال سے ہنگامی اختتام تک

☆ علامتی افسانہ نگاری۔

ڈرامہ

یونانی لفظ ڈارو سے مشتق لفظ ''ڈرامہ'' کے معنی کر کے دکھانے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا مطلب ایسی تحریر جس سے لفظوں اور حرکات کے ذریعے زندگی کے مختلف پہلو کر کے دکھائے جائیں جسے ہم نقالی کہتے ہیں۔

ڈرامہ کی خصوصیات

☆ ڈرامہ میں زندگی کا کوئی ایک پہلو جو طنزیہ بھی ہو سکتا ہے اور المیہ بھی، کو پیش کیا جاتا ہے۔ زندگی کا یہ پہلو ایک پلاٹ کے تحت ہوتا ہے۔

☆ ڈرامہ میں کردار ہی کہانی کو آگے بڑھانے میں معاون ہوتے ہیں۔ اس لئے کردار نگاری کی اہمیت گویا ڈرامے کی جان ہوتی ہے کہ کرداروں کی کشمکش اور حرکات ہی ڈرامہ ہوتا ہے۔

☆ ڈرامہ کی اصل کامیابی اس کے مکالموں پر ہوتی ہے کیونکہ یہی کرداروں کی اہمیت، وضاحت اور تشریح کے علاوہ ڈرامے کا مزاج و نکتہ نظر واضح کرتے ہیں۔

☆ ڈرامے میں ایک ارتقائی عمل ہوتا ہے جس میں ڈرامے کی اصل کہانی کے مختلف پہلو ناظرین کے سامنے آتے ہیں اور واقعات آگے بڑھتے ہیں۔

☆ ڈرامہ لکھتے وقت اس اسٹیج کا خاص خیال رکھا جاتا ہے جہاں یہ کھیلا جانا ہو۔

☆ ڈرامہ چونکہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس سے تخیل کی کارفرمائی ہیں تماشائی ضرور مدنظر رہیں۔

ڈرامے کی تکنیک

☆۔ پلاٹ ☆۔ اسٹیج ☆۔ تماشائی ☆۔ کردار

☆۔ مکالمہ ☆۔ موسیقی یا صوتی اثرات

ڈرامہ کی اقسام

1۔ طربیہ: جس میں مزاحیہ کیفیت و انجام خوشگوار ہو۔

2۔ المیہ: دردناک انجام رکھنے والا ڈرامہ۔

3۔ فارس: مضحکہ خیز واقعات سے مزین ڈرامہ۔

4۔ اوپیرا: منظوم ڈرامہ جس میں شاعری اور موسیقی کا استعمال ہو۔

5۔ نشری: جو ریڈیو سے نشر ہو......اس میں سامعین ہوتے ہیں ناظر نہیں۔

6۔ ٹی وی ڈرامہ: ٹیلی وژن سے پیش کیا جانے والا ڈرامہ۔

انشائیہ

ایسی مختصر تحریر جو زندگی سے متعلق کسی بھی پہلو کو موضوع بنا کر اس پر بے ساختہ، بے تکلف، سادہ، شگفتہ اور رواں انداز میں اظہار کیا گیا ہو۔

انشائیہ کی خصوصیات

☆ انشائیہ میں اختصاری انداز اپنایا جاتا ہے جس میں موضوع کے اجزاء نہیں بلکہ سرسری طور پر مگر جامع اطوار اپنایا جاتا ہے۔

☆ انشائیہ میں بے ربطگی ہوتی ہے۔ اصل میں یہ انشائیہ نگار کی ذہنی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ موضوع سے مطابقت میں جو ذہنی خاکہ اپناتا ہے۔ اسے بیان کر دیتا ہے۔

☆ ایسی صنف جس میں مصنف کے اپنی ذاتی تجربات، مشاہدات اور نکتہ نظر کا عکس ہوتا ہے۔

☆ انشائیہ وجدانی کیفیت سے لبریز ہوتا ہے جو قاری کو بھی اسلوب کے تحت بہا کر اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

☆ انشائیہ میں رمز و کنائیہ، معانی و مفہوم کے ذریعے زبان و بیان کی لطافت کو بھرپور انداز میں برتا جاتا ہے۔

☆ انشائیہ میں زندگی سے متعلق ہر موضوع کے لئے وسیع تر وسعت ہوتی ہے۔

مضمون

ایک ایسی تحریر جس میں سادگی کے ساتھ کسی بھی شے پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی تحریر کی ایسی صورت جس میں کوئی بھی موضوع لیا جاتا ہے وہ چاہے مجرد ہو یا غیر مجرد۔ پھر اس پر جو بھی خارجی معلومات میسر آئیں۔ انہیں اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ متعلقہ موضوع کے پہلو نمایاں ہو کر ایک رائے کی صورت اختیار کر لیں۔

مضمون کی خصوصیات

☆ مضمون میں پیش کردہ کسی بھی موضوع کے پہلوؤں کو نمایاں تو کیا جاتا ہے لیکن ان پہلوؤں کی تفاصل بیان نہیں کی

جاتیں اور نہ ہی ان پر بحث کا اندازہ اپنایا جاتا ہے۔ ورنہ......!

مضمون اپنی حد سے نکل کر ''مقالے'' کی سرحدوں میں داخل ہو جائے گا۔

☆ مضمون میں معلومات کی ترسیل ایک منطق اور ربط کے ساتھ ہوتی ہے جس بات کو پہلے بیان ہونا چاہیے وہ پہلے، اور جو بعد میں بیان کی جانے والی ہے، اسے بعد میں بیان کیا جاتا ہے۔

☆ مضمون میں کسی قدر شخصی جھلک نظر آ جاتی ہے۔

مضمون کی تکنیک

☆ موضوع کا تعارف ☆ مختلف پہلوؤں کی منطقی پیشکش

☆ حاصل بحث

مقالہ

مقالہ......! ایسی تحریر جس میں عملی مسائل اور مباحث کو اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے، جس میں لکھاری کی شخصی جھلک کی بجائے علمی مسائل یا مباحث کو منطقی انداز اپنایا گیا ہو۔

مقالہ کی خصوصیات

☆ مقالہ چونکہ ایک سنجیدہ صنف نثر ہے۔ اس لئے اس میں ٹھوس علمی اور فلسفیانہ مسائل اور مباحث ہی بیان کیئے جاتے ہیں۔

☆ مقالہ ایک طویل تحریر بھی ہو سکتی ہے جس میں تفاصل اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ موضوع سے متعلق چھوٹے چھوٹے اجزاء کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔

☆ مقالہ کی زیادہ تر بنیاد تحقیق پر ہوتی ہے۔ جس میں علمی حقائق کو انتہائی ربط کے ساتھ براہ راست پیش کیا جاتا ہے۔

☆ مقالہ کی رائے ذاتی نہیں بلکہ پیش کردہ ٹھوس علمی حقائق کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

☆ مقالہ عموماً غیر دلچسپ ہوتا ہے۔ اس میں تخلیقی کارفرمائی نہیں ہوتی۔ تاہم ادبی لطافت کمہ حقہ موجود ہوتی ہے جو الفاظ اور بیان کی مرہون منت ہے۔

مقالہ کی تکنیک

مقالہ کی تکنیک اشارتاً نہیں بلکہ تفصیل کی متقاضی ہے۔تاہم اسے ہم انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

1۔ ابتدائی حصہ

☆ صفحہ عنوان: اس میں عنوان یا موضوع، مقالہ نگار کا نام اور ادارے کا نام ہوتا ہے۔

☆ اظہار تشکر: جن ذرائع نے مقالہ نگار کے ساتھ تعاون یا رہنمائی، ان کا شکریہ۔

☆ صفحہ منظوری: اس میں ادارہ اور مقصد کا بیان ہوتا ہے۔

☆ فہرست مضامین: مقالے میں ذیلی عنوانات اور ابواب کی فہرست۔

☆ فہرست اشکال: مقالے میں اگر اشکال سے مدد لی گئی ہے تو اس کی فہرست۔

☆ فہرست گراف: اگر گراف دیئے گئے ہیں تو ان کی فہرست۔

2۔ درمیانی حصہ

یہ کسی بھی مقالے کا اصل حصہ ہوتا ہے۔جنہیں ابواب کے تحت تقسیم کیا جاتا ہے۔

باب اول

☆ تعارف: مختصر انداز میں مقالہ کے موضوع کے بارے میں بتانا۔

☆ بیان مسئلہ: چند فقروں میں مقالہ کے موضوع کی وجہ بیان کرتا ہے۔

☆ تحقیق کے مقاصد: جس مقصد کے تحت مقالہ لکھا گیا ہے اس کا مختصر انداز میں بیان۔

☆ مسئلے کی اہمیت: مقالہ لکھنے کی آخر وجہ کیا تھی۔کیوں ضرورت پیش آئی۔

☆ تحقیق کا طریقہ کار: مقالہ میں جو تحقیقی انداز اختیار کیا گیا۔معلومات کے حصول سے نتیجہ تک کس طرح پہنچا۔

☆ مفروضے: مقالے میں کون سے مفروضے قائم کرکے، انہیں پیش نظر رکھا گیا۔

☆ اہم اصطلاحات کی تعریف: وہ اصطلاحات جو مقالے سے متعلقہ ہوں اور جنہیں بار بار آنا ہوتا ہے ان کی تعریف اور تشریح کردی جاتی ہے۔

باب دوئم

☆ متعلقہ مواد کا حصول: مقالہ نگار اس مواد کو مختصر انداز میں پیش کرتا ہے جو ان عنوان یا موضوع کے تحت پہلے منظر عام

پر آ چکا ہے۔

باب سوئم

ضروری نہیں یہ باب ہر مقالہ میں موجود ہو۔اس سے صرف نظر بھی کیا جاتا ہے۔

☆ تحقیق کا طریقہ کار

☆ ذرائع مواد:

☆ نمونے کا انتخاب

☆ آلات تحقیق:

☆ شماریات اور فارمولے برائے تجزیہ مواد

باب چہارم

مواد کی پیشکش اور اس کا تجزیہ: اس میں جمع شدہ مواد کو پیش کیا جاتا ہے۔اس میں ذاتی رائے نہیں ہوتی بلکہ جو بھی حقائق اور شواہد سامنے آئیں ہیں انہیں پیش کیا جاتا ہے۔

باب پنجم

☆ خلاصہ: تمام تحقیق کا خلاصہ

☆ محاصل: جو کچھ حاصل ہوا۔ان کے بارے میں ذکر مختصراً انداز میں۔

☆ نتائج: مقالہ کی بحث کا نتیجہ ایک نظر میں۔

☆ سفارشات: اگرچہ تحقیقی عمل کا حصہ نہیں ہوتا تاہم نئے موضوع سے متعلق رہنمائی کے لئے لکھا جاتا ہے۔

3۔ آخری حصہ

☆ کتابیات: تحقیق کے لئے جو کتب، رسائل اخبارات وغیرہ سے فائدہ اٹھایا گیا ان کی تفصیل۔

☆ ضمیمہ جات: مقالہ کے ضمن میں اگر کوئی اور مواد پیش کیا جانا مطلوب ہو۔

خاکہ

ایسی تحریر جس میں کسی شخصیت کے خدوخال کو واضح کیا جاتا ہے۔

خاکہ کی خصوصیات

☆ خاکہ میں کسی شخصیت کے ان صفائی پہلوؤں کا تذکرہ ہوتا ہے جو خوبیوں اور خامیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔
☆ خاکہ مطلوبہ شخص کے کردار، اور اس کے خیالات کی عکاسی کی جاتی ہے۔
☆ خاکہ نگار کا اسلوب ہلکا پھلکا اور شگفتہ ہوتا ہے۔ روانی اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ متعلقہ شخصیت کی صورت، سیرت، مزاج اور ذہن کی تصویر کھینچ دی جاتی ہے۔
☆ خاکہ کسی شخصیت کا ادبی تعارف ہوتا ہے۔

رپورتاژ

ایسی تحریر جو کسی واقعہ یا مقام کو دیکھنے کے بعد لکھاری اپنے جذبات واحساسات سے لبریز جزئیات کے ساتھ لکھے۔

رپوتاژ کے انداز دوطرح سے ہو سکتے ہیں۔ ایک سفر نامہ کی صورت میں اور دوسرا ڈائری کی شکل میں۔ سفر نامہ اور ڈائری میں بنیادی فرق محض اتنا ہوتا ہے کہ سفر نامہ میں لکھاری کے جذبات واحساسات کے ساتھ جزئیات نگاری کی جاتی ہے۔ اور ڈائری میں ذاتی یاداشتیں بھی شامل ہونے کے ساتھ ساتھ علمی، ادبی، سیاسی، ثقافتی سرگرمیوں کا احوال بھی بیان کیا جاتا ہے۔

سوانح نگاری

ایسی تحریر جس میں لکھاری کسی شخصیت کی صفات کے علاوہ حالات زندگی بھی بیان کرے سوانح نگاری کہلاتی ہے۔

سوانح نگاری کی خصوصیات

☆ سوانح نگاری میں جس شخصیت کے بارے میں لکھا جا رہا ہے اس کی صفات کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کا بیان دیانت داری سے کیا جائے۔ تاہم محاسن بیان کرتے وقت بے جا تعریف نہ ہو اور خامیوں کے بیان میں تہذیب و اخلاق ملحوظ خاطر رہے۔
☆ سوانح نگاری میں تحقیق بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ تحقیق ہی ہے جس سے کسی شخصیت کے بارے میں مطلوبہ معلومات، نا قابل اعتماد مواد، اور اس عہد کے حقائق تک رسائی حاصل کی جا سکے۔
☆ سوانح نگاری میں لکھاری کا رویہ غیر جانبدرانہ رہے۔

☆ سوانح نگاری میں مقصدیت ضرور ہونی چاہیے یا ایسا موضوع جس کے گرد سوانح نگاری کی بنت بنی جا سکے۔

☆ سوانح نگاری میں ایک منطقی جواز ضرور موجود ہو۔ جس سے دلچسپی اور روانی پیدا ہو جائے۔

آپ بیتی

ایسی تحریر جس میں لکھاری اپنے حالات و واقعات قلم بند کرے۔ آپ بیتی کو ''خود نوشت'' بھی کہا جاتا ہے۔
(آپ بیتی کی خصوصیات بھی وہی ہیں جو سوانح نگاری کے ذیل میں آ چکی ہیں)

تنقید و تحقیق

ایسی تحریر جس سے کسی ادب پارے کو نہ صرف پرکھا گیا ہو بلکہ اس کا فنی جائزہ بھی لیا گیا ہو۔ جس سے کسی ادب پارے کا مقام و مرتبہ معلوم کیا جا سکے۔

تنقید و تحقیق کی خصوصیات

☆ اس سے نہ صرف ادب پاروں کو پرکھا جاتا ہے بلکہ ادب کی تشریح، ترجمانی اور تجزیہ بھی کیا جاتا ہے۔
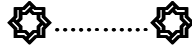
اصناف نثر (صحافتی)

فی زمانہ اگر سب سے زیادہ تحریریں لکھنے اور شائع کرنے والا کوئی شعبہ ہے تو وہ ''صحافت'' ہی ہے۔اس شعبہ میں نہ صرف بے شمار اخبار و جرائد ہیں بلکہ ریڈیو اور ٹیلی وژن اور دیگر ابلاغی ادارے بھی شامل ہو چکے ہیں۔جن کا مقصد معلومات، خیالات اور نظریات کی ترسیل واخذ کے علاوہ رہنمائی وتفریح بھی ہے۔اس سارے عمل نے روز افزوں ترقی سے یہاں تک مقام حاصل کرلیا کہ باقاعدہ ''انفارمیشن ٹیکنالوجی'' متعارف ہوگئی۔صحافتی ابلاغ تحریروں کی خاص نوعیت کے باعث سے زیادہ سہل اور موثر ہوا کیونکہ یہ اپنے اندر الگ سی خصوصیات رکھتی ہیں۔

صحافتی انداز تحریر کی خصوصیات

☆ صحافتی تحریر میں واقعیت (حقیقت) ہی اصل بنیاد ہوتی ہے۔جو بھی اطلاع لکھی جائے وہ مبنی بر حقیقت ہو۔اس سے میں غیر فطری پن یا مافوق الفطرت عنصر موجود نہ ہو۔

☆ صحافتی تحریر میں لکھاری کے جذبات واحساسات شامل نہیں ہوتے بلکہ غیر جانبداری اور معروضی انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔یعنی کوئی واقعہ یا معلومات کس طرح سے ہے نہ کہ اس طرح کہ لکھاری نے اس واقعہ یا معلومات کو کس طرح محسوس کیا۔

☆ صحافتی تحریر میں تازگی اور قرب زمانی کا ہونا بے حد ضروری ہے۔

☆ صحافتی تحریر میں کسی خاص شخص کے فلسفہ زندگی کو پیش نہیں کیا جاتا بلکہ خبری انداز کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔

☆ صحافتی تحریر میں عموماً وقتی اور عارضی مسائل و موضوعات زیر بحث آتے ہیں۔

☆ صحافتی تحریر رائے عامہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی جاتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحافتی تحریر رائے عامہ کا آئینہ ہوتی ہے۔

☆ صحافتی تحریر انتہائی سادہ، مختصر اور عموماً سطحی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ جن میں صرف معلومات، خیالات اور نظریات کا براہ راست ابلاغ پیش نظر ہوتا ہے۔

خبر

ایک خاص تکنیک پر لکھی گئی تحریر جس میں سادگی اور اختصار پایا جائے جو معلومات کی ترسیل کے لئے لکھی گئی ہو اور اس میں ابہام نہ ہو۔ خبر کہلاتی ہے۔

خبر کی خصوصیات

☆ خبر بالکل نئی معلومات پر لکھی جاتی ہے اور اس کا تعلق خاص موضوع سے ہوتا ہے۔

☆ خبر کی تحریر سادہ ہو اور کسی تخیل سے مبرا، سیدھے سبھاؤ لکھی گئی ہو۔

☆ خبر چونکہ کسی واقعہ کی روداد ہوتی ہے سو اس میں واقعہ کی نوعیت، واقعہ سے تعلق رکھنے والے افراد اور اشیاء، واقعہ کے رونما ہونے کی جگہ، اور واقعہ سے متعلق وقت جیسے عنصر پائے جاتے ہیں۔

خبر لکھنے کی تکنیک

کوئی بھی واقعہ، جو ظہور پذیر ہو چکا ہو۔ اپنے اندر ایک ''آغاز'' رکھتا ہے۔ پھر وہ واقعہ اپنے منطقی انداز سے آگے بڑھ کر ایک ''نقطہ اختتام'' تک جا پہنچتا ہے۔ ہر واقعہ میں ''خبر'' موجود ہوتی ہے۔ تاہم اس کی پیشکش کا انداز ہی اسے خبر کے درجے پر فائز کرتا ہے۔ عام تحریر، واقعہ کے آغاز سے اختتام تک منطقی اور تدریجی انداز میں بڑھتی ہے۔ اور پھر ختم ہوتی ہے۔ لیکن خبر میں اس کا نقطہ اختتام سب سے پہلے دیا جاتا ہے۔ باقی معلومات اہمیت کے لحاظ سے تدریجاً دی جاتی ہیں۔

خبر کا ڈھانچہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے

1۔ابتدائیہ 2۔متن

1۔ ابتدائیہ: اس میں ساری خبر کا خلاصہ، اہم ترین معلومات یا اہم ترین پہلو کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ تا کہ ایک ہی نظر میں

معلوم ہوجائے کہ پوری خبر کیا ہے۔

2۔ متن: اس میں خبر کے ابتدائیہ کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ واقعہ میں چند پہلو ہوتے ہیں۔ متن میں جو پہلو سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہوگا وہ پہلے دیا جائے گا۔ کم اہمیت معلومات بعد میں دی جاتی ہیں۔

اداریہ

یوں تو اداریہ (Editorial) کے لغوی معنی لکھنے والے کی سوچ تحریر یا لکھاری کا انداز تحریر ہے۔ تاہم اداریہ سے مراد وہ صحافتی تحریر ہے جو کسی اخبار یا جریدہ کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے۔

اداریہ کی خصوصیات

☆ اداریہ کسی نہ کسی خبر کی بنیاد پر لکھا جاتا ہے۔

☆ چونکہ یہ اخبار یا جریدہ کی ذاتی رائے ہوتی ہے۔ اس لئے اخبار یا جریدہ کی پالیسی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

☆ اداریہ کی تحریر میں چند مقاصد ہوتے ہیں۔ جن میں رائے عامہ کی تشکیل کسی خاص خبر یا واقعہ کی تشریح و توضیح، خصوصی مسائل کی نشاندہی اور پس منظر ہوتا ہے۔

☆ اداریہ میں دیئے گئے دلائل اور معلومات ٹھوس ہوتے ہیں۔

☆ دیگر صحافتی تحریروں کی طرح اس میں اختصار، سادگی اور معروضیت ہوتی ہے۔

اداریہ لکھنے کی تکنیک

اداریہ کی ساخت مضمون کی مانند ہی ہوتی ہے۔ اس میں پہلے موضوع سے تعارف کرایا جاتا ہے اس کے بعد اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے اور پھر آخر میں ایک رائے یا منطقی نتیجہ دیا جاتا ہے۔

کالم

کالم کے لغوی معنی ستون، مینار یا صفحہ کے ہیں۔ صحافتی اصطلاح میں کالم کے دو معنی لئے جاتے ہیں۔

1۔ مواد کی تقسیم میں صفحات کا حصہ یا ترتیب

2۔ ایک صنف تحریر

کالم کی تحریر کی خصوصیات

☆ کالم ایک ایسی تحریر ہوتی ہے جس میں کالم نویس کا اپنا اسلوب اور طرز تحریر پایا جاتا ہے۔

☆ کالم کو معاون تحریر بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں جائزے، تبصرے اور وضاحت ہوتی ہے۔

☆ کالم میں شخصی خیالات اور ذاتی نقطہ نظر کا اظہار ہوتا ہے۔

☆ کالم میں موضوع کی قید نہیں ہوتی۔ کالم نویس جس موضوع پر چاہے لکھ سکتا ہے۔

کالم کی تحریر کے لئے تکنیک

کالم کے لئے کوئی مخصوص تکنیک نہیں ہے۔ تاہم یہ کالم نویس پر منحصر ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کس طرح کی نثر یعنی کون سا انداز تحریر اپناتا ہے۔ کالم کی قسم ہی اس کا مزاج مقرر کر دیتی ہے۔ مثلاً ہم اگر کالم کی مجموعی اقسام کا ذکر کریں تو یہ تین اقسام کے ہیں۔

1۔ اسلوبی 2۔ موضوعاتی 3۔ مشاہداتی

1۔ اسلوبی اقسام میں اسلوب ہی کے باعث اپنی شناخت بناتے ہیں۔ یعنی مزاحیہ، سنجیدہ وغیرہ۔

2۔ موضوعاتی اقسام میں طبی، قانونی، کھیل، دینی، نفسیاتی، اقتصادی، فیشن، سائنس وغیرہ۔

3۔ مشاہداتی اقسام میں سیر و سیاحت، ڈائری، رپورتاژ وغیرہ۔

فیچر نگاری

فیچر ایسی تحریر کا نام ہے جس کی بنیاد خبر کی جزئیات پر مبنی ہوتی ہے اس میں زندگی کا کوئی پہلو تفصیل سے نمایاں کیا جاتا ہے۔ اس کا اسلوب صحافتی اور ادبی امتزاج کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے۔

فیچر کی خصوصیات

☆ فیچر میں کسی خاص جز یا اہم پہلو کو تفصیل سے نمایاں کیا جاتا ہے۔

☆ فیچر چونکہ صحافتی اسلوب اور ادبی اسلوب کا امتزاج ہوتا ہے۔ اس لئے اختصار معروضیت اور حقائق کے ساتھ ساتھ نیم ڈرامائی، داستانی، افسانوی اور بالمشافہ گفتگو کا انداز ہوتا ہے۔

☆ فیچر کے موثر ابلاغ کے لئے تصاویر اور نقشے کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

☆ فیچر جس موضوع پر بھی لکھا جائے اس کے تمام اہم نقوش واضح ہوتے ہیں۔

☆ فیچر میں تحقیقی عنصر غالب ہوتا ہے اور اس میں ایک مرکزی خیال ہوتا ہے۔

فیچر کی تکنیک

فیچر میں سب سے زیادہ اہمیت موضوع کی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی وہ بنیاد ہے جس کی بنا پر معلومات کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔ موضوع سے مطابقت رکھنے والی معلومات کو لکھاری اپنے اسلوب میں لکھے گا۔ فیچر کی فضا بھی موضوع سے مطابقت رکھنے والی ہوگی۔ چونکہ فیچر کی تحریر میں زبان کی بے ساختگی اور بے تکلفی کے علاوہ قارئین سے براہ راست گفتگو کا انداز ہوتا ہے۔ اس لئے لکھاری کو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور موقع ملتا ہے۔ سو یہ لکھاری پر منحصر ہے کہ وہ فیچر تحریر کرتے وقت معلومات کی پیش کش کا ڈھانچہ کس طرح بناتا ہے۔ دراصل معلومات کی پیش کش کا انداز جس قدر دلچسپ اور موثر ہوگا۔ اس قدر کامیاب فیچر وجود میں آئے گا۔

ترجمہ

کسی ایک زبان سے معلومات و مواد کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا فن ترجمہ کہلاتا ہے۔

فن ترجمہ کے اصول

☆ مفہوم کی تفہیم

ایک زبان میں دی گئی معلومات و مواد کے مفہوم ہی کو سمجھ کر اسے اپنی زبان میں، اپنے بیان میں تحریر کیا جائے۔ ہر زبان کی اپنی ساخت اور ہیت ہونے کے علاوہ اپنے قواعد بیان ہوتے ہیں۔

☆ جملوں کی ساخت

زبان میں جملوں کی اپنی ساخت ہوتی ہے۔ ترجمہ کے وقت اگر اس جملے کی ادائیگی میں کوئی پیچیدگی پیدا ہوتی ہے تو اسے دو یا زائد جملوں میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔

☆ اصطلاحات

کسی ایک زبان میں موجود اصطلاح کا ترجمہ کرتے وقت معنی نہیں بلکہ دوسری زبان میں موجود وہ لفظ پیش کرنا چاہیے جو پہلی زبان کی اصطلاح کا مفہوم بیان کرے۔ ہوسکتا ہے دوسری زبان میں اس اصطلاح کا مفہوم نہ ہو۔ تب

اصطلاح سازی کے اصول مدنظر رکھ کرنئی اصطلاح بنائی جائے یا پھراسی اصطلاح کو اپنی زبان میں سمولیا جائے۔

☆ مختصرات ترجمہ

ہر زبان میں لفظوں کومختصر کر کے انہیں علامت یا چھوٹے الفاظ یعنی مختصر انداز میں تحریر کر دیا جاتا ہے۔لیکن اس کا مفہوم پورا سمجھا جاتا ہے۔ترجمہ کے وقت وہ مختصر بیان نہیں ہوں گے بلکہ اپنی زبان کے پورے معنی بیان ہوں گے۔

☆ قبول عام لفظ

بعض اوقات ایک زبان جس سے ترجمہ کیا جا رہا ہے۔اس کے کچھ یا کئی لفظ پہلے ہی دوسری زبان میں قبول عام حاصل کر چکے ہیں اور مفہوم کی ادائیگی میں موثر ہوتے ہیں۔ایسے میں ترجمہ کرتے وقت یہی قبول عام لفظ اپنے صوتی آہنگ کے ساتھ اپنے حروف میں لکھ لیا جائے۔

☆ لغت کا استعمال

جس زبان کا ترجمہ کیا جا رہا ہے اس زبان کی لغت کا استعمال بے حد ضروری ہے۔

☆ متعلقہ علم یا فن پر دسترس

جس زبان کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔اس زبان میں اگر علمی، فنی یا سائنسی قسم کا مواد ہے تو اس مواد کو متعلقہ علم وفن کا واقف کار ہی سمجھ سکتا ہے۔یا کم از کم مبادیات سے واقفیت ضرور ہو۔

☆ ابلاغی الجھن نہ ہو

بہترین ترجمہ کا اصول یہی ہے کہ اس میں ابلاغی الجھن یا پیچیدگی نہ ہو۔بلکہ رواں ترجمہ ہو۔

تلخیص

ایسی تحریر جو کسی طویل تحریر کی مختصرترین صورت یا خلاصہ ہو تلخیص کہلاتی ہے۔

تخلیص کی تکنیک

☆ تلخیص میں اصل طویل تحریر کے الفاظ کی بجائے اپنے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

☆ تلخیص میں خیالات وجذبات یا کسی احساس کا اضافہ یا ترمیم نہیں کی جاتی۔

☆ تلخیص جہاں تک ممکن ہو سکے کی جاتی ہے۔

☆ تلخیص میں سادہ انداز بیان استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ تلخیص کرتے وقت طویل کو بار بار پڑھ کر مفہوم اور مرکزی خیال ذہن نشین کیا جاتا ہے۔

☆ کسی ایک خیال کو دوہرایا نہیں جاتا۔

☆ تلخیص میں ابلاغی الجھن نہ ہو۔

۞............۞
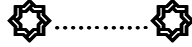
لکھاریوں کے لئے تجاویز

ڈاکٹر جمیل جالبی

☆ پڑھنا ادب کی تخلیق کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندہ رہنے کے لئے سانس لینا ضروری ہے۔

☆ ادب کی دنیا میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لئے مطالعہ اور غور و فکر ضروری ہے۔ مطالعہ وہ راستہ ہے جس سے ادیب (لکھاری) اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔ آپ وہ سب کچھ پڑھیں جو آپ کو پڑھنا چاہیے۔ آپ نہ صرف اپنی زبان کا سارا جدید ادب پڑھیں بلکہ قدیم ادب کا مطالعہ بھی ذوق و شوق سے کریں۔ تاکہ آپ اپنے ادب کی روایت سے پوری طرح واقف ہوسکیں۔

☆ آپ سستی شہرت سے گریز کریں اور آج ہی اپنی بنیادوں کو مطالعے کے ذوق سے اتنا مضبوط بنالیں کہ اس پر آپ تخلیق کی بڑی اور عظیم الشان عمارت تعمیر کرسکیں۔

☆ کوئی اعلیٰ ادبی تحقیق زندگی کے گہرے شعور کے بغیر وجود میں نہیں آتی۔ زندگی کا شعور وہ حقیقی روشنی ہے جس سے تخلیقی صلاحتیں بیدار ہوتی ہیں۔ یہ شعور زندگی سے گہرے تعلق کی بناء پر بیدار ہوتا ہے۔ زندگی کے تجربات سے پروان چڑھتا ہے۔ علم و فکر سے حاصل ہوتا ہے۔ ضروری مطالعہ موجودہ زندگی کی تفہیم، تاریخ کے مطالعے، مختلف خیالات، دنیا میں ایک مخصوص زمانے میں کیوں ابھرے، کیسے پھیلے اور کیوں اور کب مر گئے۔ اپنی تہذیب و ثقافت کی تاریخ اور اس کی موجودہ صورت حال پر غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ شعور کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے مسئلہ اور اس کی نوعیت کو سمجھ لیا ہے۔ زندگی ایک ''اکائی'' ہے۔ اگر آپ ایک ''جزو'' پر قادر ہونا چاہتے ہیں تو پھر اکائی کا علم اور اس سے آگاہی ضروری ہے۔

☆ آپ روح عصر کو اپنے فن میں اس طرح سمونے کی کوشش کیجئے کہ آپ کا فن آپ کے دور کا اظہار بن جائے۔

☆ امتزاج (Synthesis) اس دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور اس امتزاج کی کوکھ سے آج کا اور مستقبل کا بڑا ادب یا فن پیدا ہو سکتا ہے اور ہوگا۔ آپ اس پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ اس سلسلے میں آپ کیا کر سکتے ہیں یا آپ کو کیا کرنا چاہیے۔ میں اپنی بات جدید مصوری کی ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ خطاطی ایک الگ فن ہے اور مصوری ایک الگ فن ہے۔ صادقین نے، شاکر علی نے، زوبی نے خطاطی اور مصوری کے امتزاج سے اسے ایک ایسی صورت دے دی ہے کہ خطاطی اور مصوری ایک دوسرے میں جذب ہو کر ایک نئی صورت میں جلوہ گر ہو گئے اور آج نئی نسل کے مصور اس راستے پر خوش دلی سے چل رہے ہیں۔ آپ بھی اسی طرح فکر و احساس کے تعلق سے ایک نیا امتزاج تلاش کیجئے۔ آپ بھی بڑے مصور، بڑے فن کار، بڑے ادیب، بڑے شاعرہ بڑے نقاد، بڑے مفکر بن سکیں گے۔

☆ آپ جو کچھ کہیں، جو لکھیں آپ کی آواز میں دل دردمند کی لے شامل ہو۔ اس میں آپ کے خلوص کی مہک ہو۔ آپ کی آواز میں سچائی کے اظہار کی توانائی ہو اور یہ اس وقت ممکن ہے جب آپ دیانت کے ساتھ اپنی بات کہہ رہے ہوں۔ مصلحتیں، مصالحتوں کو جنم دیتی ہیں اور مصالحتیں تخلیقی توانائی کو برباد کر دیتی ہیں۔

(محور......90-89)
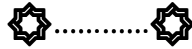
سید عابد علی عابد

ا۔ ادب کا حال (Present) اس کے ماضی کا منطقی نتیجہ ہے۔ کوئی ادیب اس وقت تک اچھا ادب تخلیق نہیں کر سکتا جب تک اپنے ادب کی روایت سے کاملاً آگاہ نہ ہو۔

۲۔ ابلاغ و اظہار ہمیشہ شاعر کے مبلغ علم سے مشروط ہوتا ہے۔ فنکار اور ادیب اگر مختلف علوم و فنون سے آگاہ ہوگا تو وہ اپنے مافیہ کو بہ سہولت دوسرے علوم و فنون کی اصطلاحات سے مدد لے کر بیان کر سکے گا۔

۳۔ فنکار کا مشاہدہ عمیق، استدلال خطا سے پاک اور طبیعت ذوق سلیم سے بہریاب ہونی چاہیے کہ اگر مذاق سلیم نہ ہوگا تو مطالعے کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

(انتقاد ادبیات......صفحہ 105)
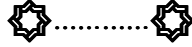
سید ابوالاعلیٰ مودودی

☆ ادب کو موثر بنانے والی پہلی چیز یہ ہے کہ ادب میں ابتذال نہ ہو۔ مسلم ادیب اپنے آپ کو مبتذل اور پامال راہوں سے بچاتے ہیں۔ مسلم ادیب میں اپج ہونی چاہیے۔ اس کا ذہن نئی راہیں نکال سکتا ہو۔ جب ادیب ہٹی ہوئی راہوں پر چلتے ہیں۔ وہ لوگوں کو بہت جلد تھکا دیتے ہیں۔

☆ دوسری چیز یہ ہے کہ ادیب کی زبان عام فہم ہو۔ وہ گنجلک زبان اور ایسے الفاظ استعمال نہ کرے جس سے ذہن آشنا نہ ہو۔ یہ کمزوری ان ادیبوں میں ہوتی ہے جو غیر زبان میں پڑھتے اور سوچتے ہیں اور اپنی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ لیکن مناسب الفاظ نہ پا کر انہیں گھڑتے ہیں۔ ایسے ادیبوں سے لوگوں کے ذہن مانوس نہیں ہوتے اور وہ ایک اجنبیت سی محسوس کرتے ہیں۔

☆ ادب کو موثر بنانے والی تیسری چیز پختگی فکر ہے۔ مسلم ادیب کو ادھر کچرے خیال ظاہر نہیں کرنے چاہیں بلکہ انہیں اپنی فکر خوب اچھی طرح سے سلجھا لینی چاہیے۔ سلجھی ہوئی فکر زبان اور اسلوب بیان میں کسی قسم کی پیچیدگی پیدا نہیں ہونے دیتی۔

☆ چوتھی چیز یہ ہے کہ ادیب کی معلومات وسیع ہوں۔ اس کے بغیر ادیب نہ تو کوئی بات کہہ سکتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ اس کا سینہ اتھلے کنویں کی طرح ہوتا ہے جس کا ذخیرہ بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ ادیب کی

معلومات جس قدر وسیع ہو گی اتنی ہی موثر بات کہہ سکے گا۔ اس لئے اسلامی ادیبوں کو تاریخ، فلسفے وغیرہ کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے۔

☆ پانچویں ضروری بات ادیب کی قوت استدلال ہے۔ جس طرح علمی مضامین میں استدلال سے کام لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک ادیب اور شاعر کو بھی استدلال کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ادیب اور شاعر کا استدلال منطقی ہونے کی بجائے شیریں اور دلکش ہوتا ہے۔ اسی استدلال سے وہ قاری سے اپنی بات منوا لیتا ہے۔ استدلال کے بغیر ادب موثر نہیں ہوتا۔

☆ چھٹی چیز یہ ہے کہ ادیب میں خلوص ہو جو ادیب مخلص ہوتا ہے اس کے الفاظ، اس کے احساسات اور خیالات کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنے احساسات کے خلاف کہنا بھی چاہے تو اس کی زبان اور قلم اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ مسلم ادیب حقیقی جذبات و احساسات کے مطابق زبان اور قلم سے کام لیتا ہے۔ جس سے اس میں بے پناہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

☆ ساتویں اور آخری چیز یہ ہے کہ ادیب کی زندگی اس کے خیالات کے مطابق ہو۔ جو لوگ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں۔ میرے نزدیک ان سے زیادہ فضول آدمی کوئی نہیں۔ ایسے لوگوں نے دنیا میں کوئی کام نہیں کیا۔

(مطبوعات مودودی)
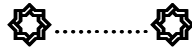
کتابیات

☆ قرآن حکیم (مختلف سورتوں سے آیات)
☆ بائبل مقدس (خروج)
☆ تاریخ خط و خطاطین از پروفیسر سید محمد سلیم
☆ جرنلسٹ اور (Journalism) عابد مسعود تہامی
☆ عمدہ اردو عروض محمد زبیر فاروقی شوکت الہ آبادی
☆ تدریس اردو ایس ایم شاہد (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی)
☆ The Artistic Way جولیا کیمرون
☆ برف پہ لکھا سورج کاشف سجاد

رسائل

☆ اماوس کا دیا علیم الحق حقی سپنس جنوری تا مارچ 97ء
☆ کاف جون ایلیاء سپنس اگست 89ء
☆ نثر و شعر کا فرق ڈاکٹر شان الحق حقی نونہال جولائی تا نومبر 91ء
☆ آپ بھی اچھا لکھ سکتے ہیں رائے صابر حسین ہمقدم مئی 2001ء
☆ آپ بھی لکھیں ڈاکٹر غلام فرید بھٹی حقیقت بہاول پور ستمبر 90ء
☆ نئے لکھنے والوں کے لئے تجاویز ڈاکٹر جمیل جالبی محور 90-89ء
☆ .... مولانا ابوالاعلیٰ مودودی محور 90-89ء
☆ مختلف ادیب و شاعر اساتذہ سے مکالمہ۔

....